167

مدینہ، مدینہ

ہدیہ: 40 روپے

آہ! ایک ہم سفر جو بچھڑ گیا

رفیق مکرم مولانا مفتی عبدالحفیظ امیر پوری رحمہ اللہ
کی وفات پر لکھی گئی تحریر پر قارئین



خشیت کے آنسو

مدینہ... مدینہ

مُہلت

اخلاق اور جہاد



نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کوئی وعدہ نبھائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے ہیں
ہمیں جینا سکھائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے ہیں
کوئی فرعون جب بھی ڈوب کر نخوت کے ساغر میں
جو اُمت کو ستائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے ہیں

تنفر بغض کینہ سے بھرے ماحول میں بھی جب
کوئی شفقت دکھائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے ہیں
یہاں دہشت زدہ خوف و خطر سے پر فضا میں جب
کوئی رستہ بتائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے ہیں

شریعت کے اصولوں اور خدا کے حکم پر کوئی
عمل کرنا سکھائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے ہیں
اکیلے سب سے ٹکرائے ستم سے تنہا لڑ جائے
یوں ظالم کو بھگائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے ہیں

جہاں خود غرض لوگوں کا بسیرا ہو وہاں پر بھی
کوئی کھانا کھلائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے ہیں
سبھی کچھ کھو چکی ہے جو پیاسی قوم اس کو بھی
کوئی پانی پلائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے ہیں

غریب و ناتواں اور بے کس و کمزور پر راشدؔ
کوئی جب ظلم ڈھائے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آتے ہیں



اللہ تعالیٰ کا خوف.....یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا..... یہ ایمان کے ''لوازمات'' میں سے ہے.....

جس کے دل میں جتنا ''ایمان'' ہوگا.....وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا.....

حضور اقدس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:.....

''وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ'' (بخاری)

اللہ تعالیٰ کی قسم میں.....اللہ تعالیٰ سے تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی خاطر تم سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں.....

حضرات خلفاء راشدین..... رضی اللہ عنہم.....جنہیں جنت کی پکی بشارت تھی.....وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے اتنا روتے تھے کہ..... داڑھیاں تر ہو جاتیں اور سجدے کی جگہ بھیگ جاتی..... بے شک جو اللہ تعالیٰ کو جتنا مانتا ہے.....جتنا جانتا ہے.....اور جتنا پہچانتا ہے.....وہ اسی قدر زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے.....ارشاد فرمایا.....

''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا'' (الفاطر ۲۸)

ترجمہ ''اللہ تعالیٰ سے اُس کے علم والے بندے ہی ڈرتے ہیں''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مخلوق میں سے..... اللہ تعالیٰ کا خوف اُس کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اُس کی عزت اور شان سے باخبر ہے (المدارک)

اسی لیے اللہ تعالیٰ کے خوف، حیا اور شرم سے رونے والوں کی شان ہی الگ ہے..... ارشاد فرمایا:

آگ میں داخل نہیں ہوگا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس آجائے (ترمذی)

یعنی جس طرح دودھ تھنوں میں واپس آنا..... ناممکن ہے..... اسی طرح اس شخص کا جہنم میں جانا محال ہے.....

اور ارشاد فرمایا:

دو آنکھوں کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی..... ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی ہو..... اور دوسری وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے راستے (جہاد فی سبیل اللہ) کی پہرے داری میں جاگی ہو (ترمذی)

مگر جب دل سخت ہو جائیں تو..... پھر ایسے آنسو کہاں نصیب ہوتے ہیں؟.....

ایک عجیب عادت

اہل علم فرماتے ہیں:.....

☆ آنکھوں کا خشک ہو جانا یہ دل کی سختی کی وجہ سے ہوتا ہے.....

☆ اور دل کی سختی زیادہ گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے

☆ اور زیادہ گناہ..... موت کو بھلا دینے کی وجہ سے ہوتے ہیں.....

☆ اور موت کا بھولنا..... یہ دنیا کے لمبے لمبے منصوبوں کی وجہ سے ہوتا ہے.....

☆ اور دنیا کے لمبے منصوبے اور ارادے یہ دنیا کی محبت کی وجہ سے ہوتے ہیں:.....

☆ اور دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے.....

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ حُبِّ الدُّنْیَا وَ کَرَاھِیَۃِ الْمَوْتِ

دنیا حالت جنگ میں آچکی ہے

دنیا اس وقت حالتِ جنگ میں آچکی ہے..... کافروں کا کفر..... اور ظالموں کا ظلم حد سے بڑھ چکا ہے..... بدترین اور بدعقل لوگ..... انسانوں کے حکمران بن چکے ہیں..... زمین اور سمندر فساد اور گناہوں سے بھر چکے ہیں..... ہر جگہ اور ہر کسی کو ہدف بنانے والے ہتھیار عام ہو چکے ہیں..... ایسے حالات میں بڑی اور اچانک تباہیاں آتی ہیں..... ریاض ائیر پورٹ پر کئی افراد عمرے کا احرام باندھ کر اُترے..... میزائل سیدھے اُن پر گرے..... حالانکہ بڑے مہنگے دفاعی نظام (یعنی ڈیفنس سسٹم) ہر طرف نصب تھے..... مطلب یہ کہ اب کوئی بھی..... کسی جگہ محفوظ نہیں..... انسان دنیا کا سب سے عقلمند جاندار ہے..... ایسا عقلمند کہ اگر چاہے تو اللہ تعالیٰ کا کلام بھی سمجھ لے..... اور انسان دنیا کا سب سے جاہل اور پاگل جاندار بھی ہے کہ..... اس نے اپنی ہلاکت کا مکمل سامان خود تیار کر رکھا ہے..... اب دنیا کے بڑے بڑے ملکوں کی تباہی..... صرف ایک بٹن دبانے سے ہو سکتی ہے..... معلوم نہیں کب کوئی نشے میں غرق ہو کر..... یا مایوسی اور بددلی میں ڈوب کر..... یا ٹینشن اور دماغی عارضے کا شکار ہو کر..... ایٹمی ہتھیار چلا دے..... اور دیکھتے ہی دیکھتے..... کروڑوں انسان ایک منٹ میں راکھ کا ڈھیر بن جائیں..... میں آپ کو ڈرا نہیں رہا..... موت کوئی ڈرنے والی چیز ہے بھی نہیں..... کوئی بیوقوف انسان ہی موت سے ڈرتا یا ڈراتا ہے..... ڈرنے والی اصل چیز تو..... اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے..... اللہ تعالیٰ کی پکڑ ہے..... اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے..... کفر یا گناہ کی حالت میں مرنا ہے..... اس لیے موجودہ حالات میں سلامتی کے لیے..... دو چیزیں ضروری ہیں..... ایک تو دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف..... یہ خوف ہمیں ہمیشہ اچھی حالت میں رکھتا ہے..... اور اچھی حالت میں مرنا..... سعادت ہے..... کامیابی ہے اور خوش نصیبی ہے..... دوسرا جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری..... اور شہادت کا شوق..... چونکہ جنگ چل پڑی ہے..... گویا کہ دجال ہر طرف نکل پڑے ہیں..... ایسے حالات میں مسلمان اگر ذہنی اور جسمانی طور پر..... جہاد کے لیے

تیار اور آمادہ ہوگا تو وہ..... اپنے دین کو بچالے گا..... زندہ رہے گا تو ایمان پر زندہ رہے گا اور فاتح یا غازی بنے گا..... اور اگر مرے گا تو شہید مرے گا..... اور شہادت بہت میٹھی ہے..... بہت میٹھی..... واللہ بہت میٹھی..... اس لیے موت سے بچنے کی فکر نہ کریں..... موت سے کوئی نہیں بچ سکتا..... موت سے کوئی نہیں بچے گا..... یہ جو آج موت کے سوداگر بنے بیٹھے ہیں..... یہ بھی مر جائیں گے..... کھپ جائیں گے..... ہاں بری موت سے بچنے کی فکر ہم سب کریں..... اللہ تعالیٰ سے غفلت والی موت سے بچنے کی فکر ہم سب کریں..... اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ..... دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کریں..... اور جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تیار رہیں.....

بھاگنے والا نہیں..... لپٹنے والا خوف

ایک خوف وہ ہوتا ہے جو دور بھگاتا ہے..... سانپ سے ڈرنے والے سانپ سے دور بھاگتے ہیں..... جبکہ ایک خوف وہ ہوتا ہے جو قریب کرتا ہے..... سچا غلام جب اپنے آقا سے ڈرتا ہے تو وہ اس کی فرمانبرداری میں لگ جاتا ہے..... لوگوں کو نوکری سے نکلنے کا خوف ہو تو بڑی محنت اور امانتداری سے اپنی ڈیوٹی دیتے ہیں..... محبوب کی ناراضی کا خوف..... محبوب سے دور نہیں..... بلکہ اس کے قریب لے آتا ہے..... ہم اللہ تعالیٰ کے ''عبد'' یعنی بندے اور غلام ہیں..... اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہمارا اور کوئی ہے ہی نہیں..... اور اللہ تعالیٰ اتنے عظیم..... جبکہ ہم اتنے حقیر..... ہماری عبادت اور بندگی ان کی شان کے مطابق کہاں ہوسکتی ہے؟ اس لیے..... عبادت پیش کر کے بھی ڈر لگتا ہے کہ..... کہاں ان کی عظیم شان..... اور کہاں ہماری ناقص عبادت..... اللہ تعالیٰ ہمیں ہر وقت اور ہر جگہ دیکھتے ہیں..... تو اُن کی چھوٹی سی نافرمانی بھی..... دل کو رلاتی ہے کہ..... وہ دیکھ رہے تھے اور ہم ان کی نافرمانی کر رہے تھے.....

اس لیے..... اُن کے خوف سے روتے اور کانپتے ہیں..... قرآن مجید بتاتا ہے کہ..... بڑے بڑے مقدس اور منور فرشتے اللہ تعالیٰ کے خوف سے کیسے لرزتے اور کانپتے ہیں..... حضرات انبیاء علیہم السلام کس طرح اللہ تعالیٰ کے خوف سے لرزتے اور روتے تھے..... یہ خوف دراصل محبت والا

خوف ہے یہ بھاگنے والا نہیں..... بلکہ لپٹنے والا خوف ہے..... یہ مایوس کرنے والا نہیں بلکہ اُمید دلانے والا خوف ہے..... یہ خوف ہمیں نصیب ہو جائے..... اس کی دعاء کرنی چاہیے..... بار بار کرنی چاہیے..... کیونکہ یہ خوف آجائے تو ایمان..... روشن اور چمکدار ہو جاتا ہے..... یہ خوف آجائے تو روح پاک ہو جاتی ہے..... یہ خوف آجائے تو اعمال میں اخلاص آجاتا ہے..... یہ خوف آجائے تو دنیا اور آخرت دونوں سنور جاتے ہیں.....

حضرت آقا محمد مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعائیں سکھا دی ہیں مثلاً:.....

☆ اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ (ترمذی)

یا اللہ! ہمیں اپنا وہ خوف نصیب فرما دیجئے جو ہمارے..... اور ہمارے گناہوں کے درمیان حائل (یعنی رکاوٹ) بن جائے.....

☆ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَشْیَتَكَ فِی الْغَیْبِ وَالشَّھَادَةِ (نسائی)

یا اللہ! میں تنہائی اور جلوت دونوں میں آپ کے خوف کے نصیب ہو جانے کا سوال کرتا ہوں.....

☆ ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ قَلْبٍ لَا یَخْشَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ ھٰؤُلَاءِ الْأَرْبَعِ '' (ابوداؤد)

یا اللہ اپنی حفاظت اور پناہ عطاء فرما دیجئے ایسے دل سے جو آپ سے نہ ڈرے..... ایسی دعاء سے جو قبول نہ ہو..... ایسے نفس سے جو کبھی مطمئن اور راضی نہ ہو اور ایسے علم سے جو نفع نہ دے..... میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں..... ان چاروں سے.....

اس دعاء کی بعض روایات میں کچھ الفاظ آگے پیچھے ہیں..... ہم نے وہ روایت بیان کی ہے..... جس میں تاکیدی پناہ ہے.....

☆ '' اَللّٰھُمَّ آتِ نَفْسِی تَقْوَاھَا وَزَكِّھَا أَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَكَّاھَا أَنْتَ وَلِیُّھَا وَ

مَوْلَاهَا" (مسلم)

یااللہ میرے نفس کو اس کا تقویٰ (یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف) نصیب فرما دیجئے..... اور اسے پاک فرما دیجئے..... آپ ہی اسے سب سے بہتر پاک فرمانے والے ہیں..... اور آپ ہی اس کے یار و مددگار ہیں.....

یہ بڑی خاص اور مؤثر دعاء ہے..... حضرت استاذ محترم مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی نور اللہ مرقدہ..... اس کی بہت تاکید فرماتے تھے کہ..... اپنے سجدوں میں یہ دعاء پڑھا کرو..... بے شک یہ زندگی بدلنے والی..... اور دل کو نور اور پاکیزگی سے بھرنے والی دعاء ہے.....

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کا اہتمام..... قبولیت نصیب فرمائیں.....

☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی (مسلم)

یااللہ میں آپ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور غنا..... کا سوال کرتا ہوں.....

یہ بڑی جامع دعاء ہے..... اور اس کے فوائد و ثمرات بے شمار ہیں.....

وہ لوگ جن کے دل سخت ہو چکے ہیں..... زنگ آلود ہو چکے ہیں..... جن کی آنکھیں خشک ہو چکی ہیں..... وہ روزانہ ایک سو بار..... یا نفل نمازوں کے سجدوں میں..... اس کا اہتمام کریں.....

ہر برائی اور تکلیف سے نجات

حضرت آقا محمد مدنی ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

تین چیزیں نجات دلانے والی ہیں..... (یعنی انسان کو دنیا اور آخرت کی ہر تکلیف، گناہ اور برائی سے بچانے والی ہیں)

١ خلوت اور جلوت میں اللہ تعالیٰ کا خوف (یعنی انسان تنہا ہو یا لوگوں میں..... اللہ تعالیٰ کا خوف اس کے دل میں ہو.....

٢ انصاف کرنا..... رضا اور غضب میں..... (یعنی انسان ہر حال میں انصاف پر رہے، کسی کی محبت یا کسی کی دشمنی اسے انصاف سے نہ ہٹا سکے)

۳ میانہ روی اختیار کرنا..... مالداری اور فقر میں.....(یعنی مالی حالات جیسے بھی ہوں انسان اسراف اور بخل سے بچے) (بیہقی)

اللہ تعالیٰ کا خوف انسان کو..... انسان بناتا ہے..... مسلمان بناتا ہے..... مومن بناتا ہے..... اس لیے وہ نجات کا ذریعہ ہے.....

دو امن، دو خوف

حضور اقدس ﷺ اپنے رب تعالیٰ جلّ شانہ کا فرمان نقل فرماتے ہیں کہ..... اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مجھے اپنی عزت کی قسم..... میں اپنے بندے پر "دو خوف" اور "دو امن" جمع نہیں فرماؤں گا..... اگر وہ دنیا میں مجھ سے ڈرا تو اُسے قیامت کے دن امن عطاء فرماؤں گا..... اور اگر وہ دنیا میں (میرے عذاب اور پکڑ سے) بے خوف رہا تو اُسے قیامت کے دن خوف دکھاؤں گا (ابن حبان)

انسان دنیا میں..... اللہ تعالیٰ کے خوف سے جھکا جھکا رہتا ہے..... گناہوں سے بچتا ہے..... ظلم و زیادتی سے بچتا ہے..... اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کے ڈر سے روتا ہے..... اور اپنے نفس کو برائیوں سے روکتا ہے تو..... ایسے شخص کے لیے آگے چل کر امن ہی امن ہے.....

اللہ تعالیٰ کی خشیت..... اللہ تعالیٰ کا خوف..... اللہ تعالیٰ سے امید..... اللہ تعالیٰ کی محبت..... اللہ تعالیٰ کی معرفت..... اللہ تعالیٰ سے شرم و حیاء..... اللہ تعالیٰ کا قرب..... اللہ تعالیٰ سے تجارت..... اللہ تعالیٰ کی اخلاص والی عبادت..... اللہ تعالیٰ کی یاد والے آنسو..... اللہ تعالیٰ کے خوف والی ہچکیاں..... اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق..... اللہ تعالیٰ کا کثیر ذکر..... اور اللہ تعالیٰ کے لیے شہادت..... بس یہی..... ہر مسلمان کی تمنا..... ہر مسلمان کی خواہش..... ہر مسلمان کی آرزو.....

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ



قرآن کے سائے میں

سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۴)

(۳) غزوۂ بدر میں جب کچھ صحابہ شہید ہو گئے تو نافہم کافروں نے کہنا شروع کیا کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی جوانی گنوادی اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، انہیں جواب مل رہا ہے کہ تم جس معنیٰ میں انہیں مردہ سمجھ رہے ہو اس میں وہ سرے سے مردہ ہی نہیں بلکہ زندوں سے کہیں بڑھ کر ہر لذت سے لذت یاب ہو رہے ہیں۔ برزخی زندگی اپنی عام صورت میں تو سب ہی کے لئے ہے، لیکن شہیدوں کو اس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی نصیب ہوگی۔ آثار حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی۔ (تفسیر ماجدی)

گذارش:

قرآن پاک میں حیات شہداء کا مسئلہ سورۃ آل عمران آیت ۱۶۹ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس مقام پر اس مسئلہ کی مزید تفصیلات عرض کی جائیں گی۔

نکتہ:

مسلمان موت سے بے خوف ہوئے تو اپنے دین کو لیکر پورے عالم میں پھیل گئے۔ چونکہ وہ شہادت سے محبت رکھتے تھے اس لئے دعوت کے راستے میں جو رکاوٹ بھی آئی اس سے بلا خطر ٹکرا گئے۔ وہ موت کے پیچھے دوڑتے گئے اور ان کا دین زندہ

ہوتا گیا جبکہ یہودی زندگی بچانے کے لئے اپنے قلعوں اور عمارتوں میں بیٹھے رہے اور ان کا مذہب سمٹتا گیا۔ اب معاملہ برعکس ہے کافروں نے مسلمانوں سے لڑنا اور مسلمانوں نے ان سے گھر بیٹھنا سیکھ لیا ہے، اس لئے وہ طاقتور ہو گئے اور مسلمان کمزور۔ اس کمزوری کو ختم کرنے کا نسخہ اسی آیت میں بیان ہوا ہے اللہ تعالیٰ کرے ہم سب مسلمان اس پر عمل کریں اور زندگی پائیں۔

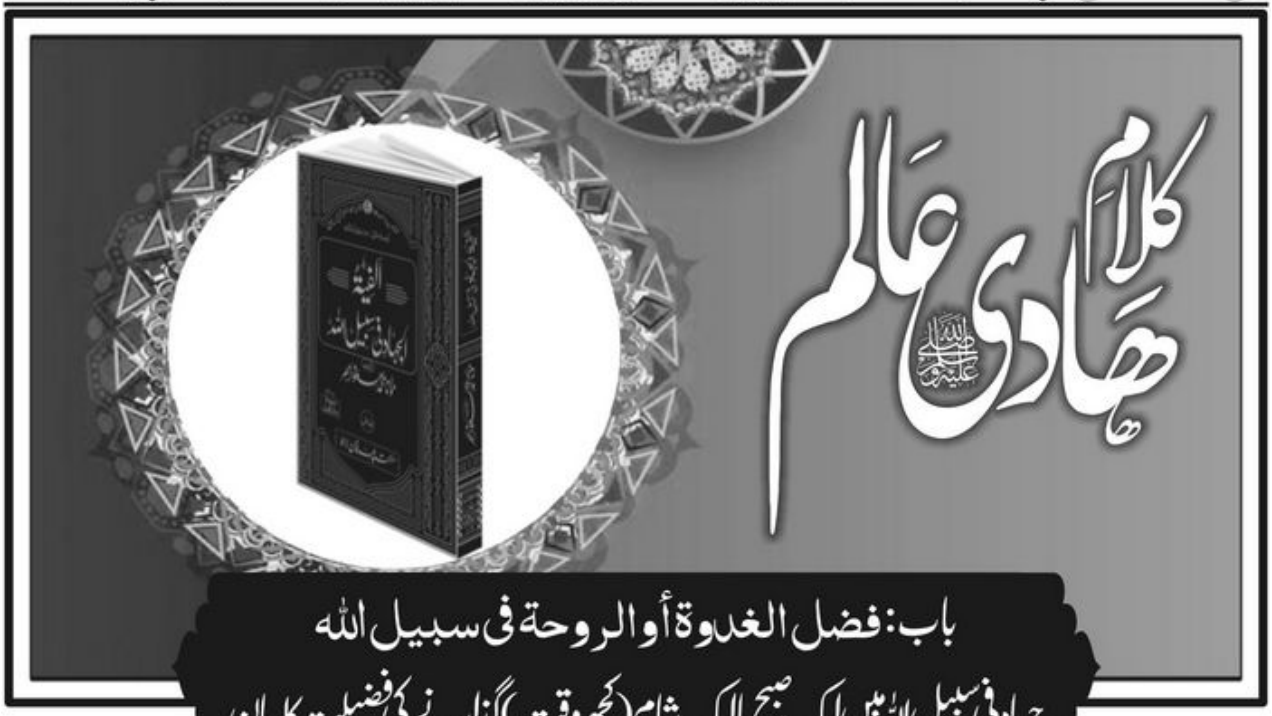
مماثل آیات:

قرآن پاک کی دیگر درج ذیل آیات میں بھی شہداء کرام کے فضائل کا بیان ہے۔

البقرۃ:۲۰۷۔آل عمران ۱۴۰۔۱۵۷۔۱۵۸۔۱۶۹۔۱۷۰۔۱۷۱۔۱۹۵۔النساء ۶۹۔۷۴۔التوبہ:۱۱۱۔الحج ۵۸۔۵۹الزمر ۶۸۔ سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ۴۔۵۔۶۔الحدید:۱۹۔

دعاء:

یااللہ! بے شک آپ کے راستے میں قتل ہونا بڑی سعادت ہے، یااللہ! ہم اس آیت پر اور تیرے پورے کلام پر ایمان لاتے ہیں یااللہ! ہمیں اپنی رضا کے لئے یہ سعادت عطاء فرما اور ہمیں ان مقبول شہدا میں شامل فرما جن کی فضیلت قرآن پاک میں بیان ہوئی ہے۔ آمین یاارحم الراحمین



باب: فضل الغدوة أو الروحة فی سبیل الله

جہاد فی سبیل اللہ میں ایک صبح یا ایک شام (کچھ وقت) گذارنے کی فضیلت کا بیان

(۱) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ: مَرَّ رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بِشِعْبٍ فِیْهِ عُیَیْنَةٌ مِّنْ مَّاءٍ عَذْبَةٌ فَاَعْجَبَتْهُ لِطِیْبِهَا، فَقَالَ: لَوِ اعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَاَقَمْتُ فِیْ هٰذَا الشِّعْبِ، وَ لَنْ اَفْعَلَ حَتّٰی اَسْتَأْذِنَ رَسُوْلَ اللهِ n، فَذَکَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ n، فَقَالَ: لَا تَفْعَلْ، فَإِنَّ مُقَامَ اَحَدِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ اَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهٖ فِیْ بَیْتِهٖ سَبْعِیْنَ عَامًا، اَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ یَّغْفِرَ اللهُ لَکُمْ وَ یُدْخِلَکُمُ الْجَنَّةَ، اُغْزُوْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ، مَنْ قَاتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔ قد أخرجه الترمذی۔

[سنن الترمذي ، رقم الحديث: ۱۶۵۰ ، وقال: حديث حسن]

ترجمہ: حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: ”ایک صحابی کسی پہاڑی کی گھاٹی سے گزرے، جس میں میٹھے پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا، وہ جگہ اور چشمہ اپنی لطافت کی وجہ سے انہیں بہت پسند آیا، انہوں نے کہا: کاش میں لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر اس گھاٹی میں قیام پذیر ہو جاتا، لیکن میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرلوں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایسا ہرگز مت کیجیے، اس لیے کہ تم میں سے کسی کا (ڈٹ کر تھوڑی دیر) جہاد میں کھڑا ہونا اپنے گھر میں ستر سال نماز پڑھتے رہنے سے بہتر ہے، کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تم کو جنت میں داخل کردے؟ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو، جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اونٹنی کا دودھ دوہنے کے درمیانی وقفہ کے برابر جہاد کیا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔“



مولانا طلحۃ السیف

اخلاق اور جہاد

گذشتہ جمعۃ المبارک کراچی میں خطبۂ جمعہ میں اسلام کے فلسفۂ جہاد پر کچھ گذارشات عرض کیں۔ان میں یہ موضوع بھی سرسری طور پر آیا کہ اخلاق اور جہاد میں منافات سمجھنا دین اور جہاد سے ناواقفیت کا شاخسانہ ہے۔جمعہ کے بعد ایک دوست کا پیغام آیا کہ اس موضوع پر اگر کچھ تفصیل آجائے تو فائدہ ہوگا کیونکہ بہت سے لوگ ابھی تک اس سوال میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جماعت کی قرانی دعوت جہاد نے الحمدللہ معاشرے میں جہاد کے بارے میں پھیلے ہوئے کئی زبان زد عام سوالات اور اشتباہات کی جڑ کاٹ دی ہے اور اب وہ سوال سننے کو بھی نہیں ملتے۔کچھ عرصہ قبل دعوت کے شعبے سے منسلک جماعتی ساتھیوں کی ایک نشست میں بندہ نے مزاحا یہ بات عرض کی کہ جماعت کی قرآنی دعوت نے ہمیں ہر مسجد کی زینت ان دو چار معمر حضرات کی زیارت سے مستقل محروم کر دیا ہے جو جہاد کا بیان سنتے ہی فرمایا کرتے تھے

"بھائی ابھی تک ایمان نہیں بنا تو جہاد کیسے کریں"

یہ اخلاق اور جہاد والا سوال بھی انہیں ہر طرف پھیلی ہوئی باتوں میں سے ایک ہے جن کا ایک زمانے میں بہت زور ہوا کرتا تھا لیکن اب باقی نہیں رہا۔

"اخلاق"، خُلق کی جمع ہے اور خُلق کہتے ہیں عادت وخصلت کو.....

عادت وخصلت اچھی کون سی ہوگی؟ اخلاق کسے کہا جائے گا؟.....

انسانوں کی طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے یہ مسئلہ بھی اختلافی بن جائے گا.....

بعض لوگوں کے ہاں برائیاں بھی اچھائیوں کی گنتی میں ہیں اور بعض کے ہاں بعض اچھائیاں برائیوں کے شمار میں.....

اس لئے وہ اخلاق جنہیں اپنانے کا حکم دیا گیا ہے ان کی تفسیر کے لئے بھی عقل دوڑانے کی بجائے

''اوپر'' سے رہنمائی لیتے ہیں.....

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو حکم فرمایا:

تخلقوا باخلاق اللہ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق اختیار کرو)

اور خود نبی کریم ﷺ کے حق میں قرآن مجید کی گواہی ہے.....

انك لعلی خلق عظیم (بے شک آپ بلند اخلاق والے ہیں) (القلم)

اور آپ ﷺ نے اپنی بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے ایک کام

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

''مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے''.....

اخلاق کے اعلیٰ ترین درجے کی تکمیل و تعلیم کو قرار دیا.....

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ ہر وہ کام جسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو.....

وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کریمہ جلیلہ کے مطابق ہو.....

یا وہ نبی کریم ﷺ نے کیا ہو اور امت کو اسکی تعلیم ارشاد فرمائی ہو.....

عین اخلاق بلکہ اخلاق کے اعلیٰ درجات پر فائز ہے.....

اب کہیں بعض انسانوں کی کھوٹی عقل.....

کسی زمانے کا جھوٹا عرف.....

کسی قوم کی فرسودہ روایات.....

ایسے کسی عمل کو اخلاق کے زمرے سے نکالنے کی کتنی بھی کوشش کریں ایک مومن ہونے کی حیثیت سے ہمارے ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اسے ''مکارم اخلاق'' میں سے سمجھیں اور اسے اپنائیں.....

ایسے کسی عمل کا ترک اخلاق نبوت سے محرومی کے مترادف ہوگا.....

اور معاذ اللہ اسے سرے سے اخلاق ہی نہ سمجھنا.....توبہ توبہ.....

ایسی سوچ کی شناعت کے بارے میں کیا کہا جائے.....

☆.....☆.....☆

اب ذرا سوچیے وہ لوگ کتنی بُری بات کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ''جہاد'' یعنی قتال فی سبیل اللہ.....

اللہ کے دشمنوں سے لڑنا.....انہیں قتل کرنا.....ان کے ٹکڑے اڑانا اخلاق نہیں، اخلاق کے منافی چیز ہے.....نعوذ باللہ من ذلک.....

جو کام اللہ تعالیٰ نے کیا.....اس کا حکم دیا.....اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی.....

انبیاء کرام نے کیا.....نبیوں کے امام ﷺ نے کیا.....ملائکہ کے سردار نے کیا.....

اگر وہ اخلاق نہیں تو اخلاق کسے کہتے ہیں؟.....

(۱) قتال عمل الٰہی ہے:

ولکن اللہ قتلھم (اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو قتل کیا) الانفال

(۲) قتال امر الٰہی ہے:

اقتلوھم، قاتلوھم، فلیقاتل،

یہ امر اتنی بار قرآن مجید میں آیا ہے کہ گنتے گنتے آپ تھک جائیں گے.....

(۳) صرف لڑائی کا حکم نہیں بلکہ سخت لڑائی کا حکم.....کفار کو نشان عبرت بنا دینے کا حکم.....اس قدر مارنے کا حکم کہ لڑائی کے قابل نہ رہیں.....خالق اخلاق کی طرف سے بندوں کو دیا گیا:

''اے نبی! اگر آپ ان کو لڑائی کے میدان میں پالیں تو ڈرا دیں ان کے ذریعے پیچھے والوں کو'' (الانفال)

''اور جب تم کفار کے مقابل آؤ تو ان کی گردنیں اڑاؤ..... یہاں تک کہ جب خوب خونریزی کر چکو تو مشکیں باندھ لو (قیدی بنالو) پھر احسان کر کے چھوڑ دینا ہے یا فدیہ لے کر..... یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے (محمد، آیت ۴)

(۴) ہر طرح کی لڑائی کی اجازت بلکہ امر.....گھیر کر مارو.....چھپ کر وار کرو.....بڑے لشکر لے کر لڑو یا چھوٹے گروپ.....

''پس ان کو پکڑو، ان کا گھیراؤ کرو اور ہر تاک کی جگہ بیٹھو'' (التوبۃ)

اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو پھر نکلو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر یا اکھٹے'' (النساء)

یہ عمل اور امر ہیں اللہ تعالیٰ کے.....

اللہ تعالیٰ کے وہ عظیم بندے جو انسانوں کو اخلاق سکھانے اور دنیا کو اخلاق کا اعلیٰ ترین مرتبہ دکھانے

آئے.....ہم سب کے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ.....

آیئے ان کے اخلاق میں جہاد کو ڈھونڈتے ہیں.....

(۱) نبی کریم ﷺ ۲۷ بار خود بنفس نفیس کفار سے لڑنے تشریف لے گئے (سیرت المصطفیٰ)

(۲) آپ نے ابی بن خلف نامی گستاخ و متکبر کافر کو قتل فرمایا (سیرت المصطفیٰ)

(۳) نبی کریم ﷺ نے درجنوں کفار کا نام لے کر صحابہ کرام کو حکم فرمایا کہ ان کو قتل کر دیا جائے.....

کعب بن اشرف، ابو رافع، عصماء، ابن خطل، خالد بن سفیان ہذلی.....

فتح مکہ کے دن ۱۹ نام.....صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں مستقل ابواب ہیں جن میں یہ اوامر مذکور ہیں.....

(۴) نبی کریم ﷺ نے کفار کے قتل پر والہانہ خوشی کا اظہار فرمایا.....

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بدر کے دن ابو جہل کے قتل کی خبر دی نبی کریم ﷺ نے تین بار خوشی سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور اس قدر مسکرائے کی نواجذ ظاہر ہو گئے (سیرت المصطفیٰ)

(۵) نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ کے پردوں سے لپٹے ہوئے ابن خطل کے وہیں پر قتل کا حکم صادر فرمایا.....

(۶) نبی کریم ﷺ نے کافر کے قتل پر قاتلوں کو جنت کی بشارت سے نوازا.....کعب بن اشرف اور ابو رافع کے قاتلین کو جنت کا وعدہ بخاری میں مذکور ہے.....

(۷) نبی کریم ﷺ کے سامنے مسجد میں جہاد کی تربیت کی گئی، آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور روکنے سے منع کیا.....

(۸) آپ ﷺ نے امت کو گھڑ سواری، تیر اندازی، تلوار بازی، کے فضائل دیے، تاکیدی حکم دیا.....اور خود مقابلے کرائے.....

اخلاق نبوت کی بات کرنے اور جہاد کو اخلاق کے منافی قرار دینے والے غور سے سنیں!

نبی کریم ﷺ کے اخلاق ہیں کیا؟.....

گھر سے گواہی لیتے ہیں.....

اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا خلق قرآن مجید تھا.....یعنی قرآن کا ہر حکم اخلاقِ نبوت

ہے.....

اور قرآن مجید میں جہاد وقتال کا کتنا ذکر ہے؟

اب قرآن مجید سے جس طرح جہاد کو نہیں نکالا جاسکتا اسی طرح ''جہاد'' اخلاق نبوی کا بھی جزلا ینفک ہے جسے جدا نہیں کیا جاسکتا.....

اور اس سے بھی بڑھ کر آقا مدنی ﷺ کی اپنی گواہی.....

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ سوال کیا.....

آپ کی سیرت کیا ہے؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''معرفت میرا سرمایہ ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر میرا ہمدم ہے، توکل میرا خزانہ ہے، غم میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، رضاء میری غنیمت ہے، عاجزی میرا فخر ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری قوت ہے، سچائی میرا سفارشی ہے، جہاد میرا اخلاق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے'' (الشفاء ص ۹۷)

''الجهاد خلقی'' ''میرا اخلاق جہاد ہے۔ یہ الفاظ بار بار پڑھیے تاکہ شفاء نصیب ہو، اس مرض سے جو کفار کے بے بنیاد اور کمزور پروپیگنڈے کے زیر اثر مسلمانوں میں پھیل گیا کہ معاذ اللہ ''جہاد'' اخلاق کے منافی کوئی چیز ہے.....

آقا مدنی ﷺ کی سیرت مبارکہ سے متعلق اس سے سچی باتیں کوئی اور کہہ سکتا ہے جو آپ نے خود فرما دیں.....

اس سے بھی بڑھ کر دیکھیں!

''انتقام'' بھی اخلاق نبوی ہے.....

غزوۂ بنو قینقاع ایک مسلمان عورت کی حرمت اور ایک مسلمان مرد کے خون کے انتقام میں برپا ہوا ..... تفصیلی واقعہ سیرت المصطفیٰ میں دیکھ لیجیے.....

غزوۂ موتہ قاصد نبوی کے قتل کے انتقام میں ہوا اور مشہور و معروف سریہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کی فکر آقا مدنی ﷺ کو بستر وفات پر بھی تھی اہل موتہ کے انتقام کے لئے روانہ کیا گیا تھا.....

نبی کریم ﷺ کے حضرت اسامہ کو یہ الفاظ

''اپنے باپ کے مقتل کی طرف جاؤ''

اس بات کی کافی دلیل ہیں..... ایک بیٹے کو باپ کے مقتل کی طرف بھیجنے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟..... وہ بھی لاؤ لشکر دے کر.....

آقا مدنی ﷺ کا ہر عمل سراپا اخلاق ہے ..... قتال کے اخلاق ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ رحم، عفوو درگزر، انسانی ہمدردی یہ اخلاق نہ رہے..... ان سب کے اخلاق ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ کفار پر شدت، قتال وغیرہ اخلاق سے خارج ہوئے.....

ان میں سے ہر چیز اخلاق ہے بشرطیکہ اپنے وقت اور موقع پر ہو.....

نرمی کے موقع پر سختی، جس طرح بد اخلاقی ہے اسی طرح سختی اور غصے کے موقع پر نرمی بسا اوقات بے غیرتی اور بے حمیتی بن جاتی ہے.....

کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جو اپنے گھر کی عزت وحرمت پر حملہ آور شخص کے بارے میں'' اخلاق'' کے نام پر دل میں ہمدردی اور زبان پر مٹھاس سجا کر بیٹھا ہو اور حملہ آور کام میں مشغول ہو؟.....

تو جب یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ ..... قرآن کے ساتھ..... آقا مدنی ﷺ کے ناموس کے ساتھ.....

مسلمانوں کے ساتھ ہر طرف عام ہے ایسے میں خاموشی، محبت، ہمدردی یا نرمی اخلاق کہلانے کے لائق رہ جاتے ہیں؟.....

فیصلہ آپ خود کر لیجیے.....

اور ہاں ! ایک انسان کے جسم سے گلا ہوا عضو یا پھوڑا کاٹنے میں اسے کتنی تکلیف پہنچائی جاتی ہے؟.....

مگر اسے کوئی بد اخلاقی نہیں کہتا.....

اور کفر کی طاقت ..... کفر کی حکومت اور کفر کا تسلط جو مسلمانوں کے ایمانوں کے لئے کینسر سے زیادہ خطرناک ہے اسے کاٹنا بد اخلاقی ہو..... یقیناً یہ دہرا معیار ہے جو اسلام میں ہرگز روا نہیں.....

خلاصہ یہ ہے کہ ''اخلاق'' صرف وہی ہیں جو آقا مدنی ﷺ نے سکھائے.....

اوران میں ''جہاد'' ایک نمایاں خُلق ہے.....

جہاں ہمارے آقا ﷺ نے نرمی والے اخلاق سکھائے وہاں اخلاق صرف نرمی.....

جہاں ہمارے آقا ﷺ نے تلوار، تیر، خنجر، نیزے والے، خون والے، جسموں کے ٹکڑوں والے اخلاق سکھائے وہاں اخلاق صرف وہی.....

ہمارے آقا ﷺ سے اخلاقی تربیت پانے والی جماعت کے اخلاق قرآن مجید کے الفاظ میں ملاحظہ ہوں.....

''کفار پر سخت اور آپس میں نرم دل ہیں'' (الفتح)

مگر یہاں الٹ معاملے پر اصرار ہے.....

کفار سے اتنی محبت کہ مجاہدین پر اس لئے ناراض ہیں کہ یہ کفار کو قتل کیوں کرتے ہیں.....

اور بعض اہل ایمان کے لئے دل اتنے سخت ہیں کہ ان سے میل جول بھی پسند نہیں کیا جاتا۔

ایں چہ بوالعجبی است.....

☆.....☆.....☆

بقیہ: رحمت عالم ﷺ کا حسن معاشرت

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کبھی اس طرح پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے کہ جس سے دوسروں کو تنگی ہو، جو بھی شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کی عزت فرماتے، بعض اوقات کپڑا پھیلا دیتے اور اپنا تکیہ عنایت فرما دیتے، اگر کوئی احتراماً انکار کرتا تو آپ ﷺ اصرار کر کے اُسے بٹھاتے اور قسم تک دیتے۔ ایک روایت میں ہے کہ کوئی شخص کسی حاجت کے پیش نظر اگر آپ ﷺ کے قریب آ کر بیٹھ جاتا اور آپ ﷺ اس وقت نماز پڑھ رہے ہوتے تو نماز مختصر فرما دیتے تھے اور اس کی ضرورت معلوم کر کے پہلے اسے فارغ کرتے، پھر نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر تبسم کا خوگر اور کسی کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کے مبارک اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

۲۶

پیغامِ نبوی ﷺ





مفتی محمد منصور احمد

دنیا کی تکلیف امتحان اور آزمائش ہیں!

أَجَلْ، إِنِّي أُوعَكُ كَمَا يُوعَكُ رَجُلاَنِ مِنْكُمْ (صحیح بخاری:۵۶۴۸)

"مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو بندوں کو ہوتا ہے۔"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کو کسی تکلیف میں پایا، انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو تو سخت بخار ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں، مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو بندوں کو ہوتا ہے!

کسی مسلمان کو ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے!

☆ اللہ تعالیٰ ہماری طرف اپنے پیغامات ہمیشہ بھیجتا رہتا ہے!

☆ بیماری بھی بندے کیلئے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام ہے، جس میں وہ اپنے بندے سے پوچھتا ہے: تجھے کس چیز نے کمزور کر دیا!

☆ ہمیں ہر موقع پر اپنی حیثیت کو یاد رکھنے کی ضرورت ہے!

☆ بیماری اللہ تعالیٰ کی رحمت کے منافی نہیں بلکہ یہ عین اس کی رحمت ہے!

☆ کبھی کبھار وہ آپ کو مرض میں اس لیے مبتلا کرتا ہے تاکہ آپ کے گناہوں کو معاف کر دے جن کو آپ اپنی نیکیوں سے ختم نہیں کر سکے!

☆ کبھی وہ دیکھتا ہے کہ آپ اس سے بہت دور چلے گئے پھر وہ آپ کے کان میں کوئی تکلیف پیدا کر دیتا ہے تاکہ آپ کو اپنے پاس واپس لے آئے!

☆ یا اس نے جنت میں آپ کیلئے کوئی درجہ مقرر کر رکھا ہے جسے آپ اپنی عبادت سے حاصل نہیں کر سکتے، تو وہ آپ کو تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ اس کے بدلے میں آپ اس درجے کے حقدار ہو سکیں جو اس نے آپ کیلئے تیار کر رکھا ہے!

☆ یہ دنیا امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے، قرآن کریم میں مذکور انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے پڑھیں، آپ کو بیماری، خوف، محرومی، محتاجی، بے قدری اور انکار سب کچھ ملے گا، لیکن ان سب کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، بشرطیکہ بندہ بندگی کے آداب کا لحاظ رکھے!

خاص اوقات اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہیں!

فَعُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَقْضِي حَجَّةً مَعِي (صحیح مسلم: ۱۲۵۶)

رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے جتنا ثواب رکھتا ہے۔

جب نبی کریم ﷺ حج سے واپس تشریف لائے تو اُمّ سنان رضی اللہ عنہا سے فرمایا: آپ کو ہمارے ساتھ حج کرنے سے کس چیز نے روکے رکھا؟ انہوں نے عرض کیا: میرے شوہر کے پاس دو اونٹ تھے، ایک پر انہوں نے خود حج کیلئے سفر کیا اور دوسرے اونٹ پر ہمارا غلام پانی بھر کر لاتا تھا۔

یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے جتنا ثواب رکھتا ہے۔

☆ یہ عمرہ ثواب میں حج کے برابر ضرور ہے لیکن فرض حج کا متبادل نہیں بن سکتا!

☆ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں وہ اجر و ثواب کو بڑھانا چاہتا ہے، آپ کو چاہیے کہ ان اوقات کو غنیمت سمجھیں!

☆ یہ اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہیں، اس لیے ان تحائف کو واپس نہ کریں!

☆ عرفہ کے دن (9 ذی الحجہ) کا روزہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اس لیے آپ اس میں کوتاہی نہ کریں!

☆ سونے سے پہلے سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھنا ہر چیز سے حفاظت کا باعث ہیں، اس لیے آپ اس کی پابندی کریں!

☆ عاشوراء (10 محرّم) کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اس لیے آپ یہ روزہ رکھنا شروع

کردیں!

☆ چاشت کی دو رکعت نماز جسم کے ہر عضو اور جوڑ کے بدلے صدقے جتنا ثواب رکھتی ہے، اس لیے آپ یہ نماز پڑھتے رہیں!

☆ لیلۃ القدر میں رات کو نماز پڑھنا ساری زندگی کیلئے غنیمت ہے، اس لیے اس رات کو تلاش کرتے رہیں!

زبان بھی تیز دھار زخمی کرنے والا آلہ ہے!

أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا (صحیح بخاری: ۴۵۱)

ان کی نوکوں کو قابو میں رکھو!

ایک آدمی مسجد کے پاس سے گذرا، اس کے پاس تیر تھے، نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: ان کی نوکوں کو قابو میں رکھو!

☆ نبوت کی تعلیم یہ ہے کہ ہر تیز دھار آلہ جو کسی کو زخمی کرسکتا ہے اس کی نوک اور دھار کو قابو میں رکھنا ضروری ہے تاکہ کسی کو تکلیف نہ ہو!

☆ اس سے بڑھ کر ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ زبان بھی تیز دھار زخمی کرنے والا آلہ ہے اور اس سے لگنے والا زخم کبھی کبھی تیر اور نیزے کے زخموں سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے، کیونکہ تیر اور نیزے کا زخم جلد ہی بھر جاتا ہے اور ٹھیک ہو جاتا ہے، لیکن زبان کا لگایا ہوا زخم ہمیشہ رستا رہتا ہے، جس کی تکلیف دل میں محسوس ہوتی ہے!

☆ ابھی تک آپ کی اولاد کیوں نہیں ہوئی؟ یہ سوال ہے یا طعنہ؟

☆ آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟ یہ استفہام ہے یا مکا؟

☆ آپ اپنے گھر کا فرنیچر تبدیل کیوں نہیں کرتے؟ یہ گھر والوں سے ہمدردی ہے یا ان کے صبر کا امتحان؟

☆ آپ نئے کپڑے کیوں نہیں لیتے؟ کیا یہ محبت ہے یا غصہ دلانے کی کوشش؟

☆ طعنوں کی بہت سی قسمیں ہیں، بے وقوفی کے سوال بھی اُن میں سے ایک ہے!

قاری نوید مسعود ہاشمی



رحمتِ دو عالم ﷺ کا حسن معاشرت

رحمت عالم ﷺ نبیوں کے نبی ہیں، آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے، جس کو اپنا کر ہم اپنی زندگی خوشگوار و پر امن گزار سکتے ہیں، حضور نبی کریم ﷺ کے حسن معاشرت کی بھی کوئی نظیر نہیں، آپ ﷺ کا حسن معاشرت بھی تمام دنیا سے اعلیٰ تھا۔ جس کو اپنا کر آج ہم اپنا کھویا ہوا مقام پا سکتے ہیں۔

اللہ عزوجلّ فرماتے ہیں: بیشک رسول اللہ میں تمہارے لیے نہایت عمدہ نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔ (سورۃ الاحزاب، آیت: 21)

قرآن کریم کی اس آیت میں آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپ ﷺ کے بے مثال اسوۂ حسنہ کو بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس جوان نے کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تعظیم و تکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی تعظیم کرے گا (رواہ الترمذی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر وسیع القلب، گفتگو میں سچے، نرم طبیعت والے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال تک حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت کرتا رہا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ان دس سالوں میں مجھے کبھی بھی نہ جھڑکا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے فلاں کام کیوں کیا ہے اور فلاں کیوں نہیں۔

حضور ﷺ کسی سے بھی نفرت نہیں کرتے تھے۔ ہر قوم کے افراد کا اکرام کرتے اور ایسے ہی افراد کو ان کے اوپر حاکم مقرر کرتے۔ لوگوں کو خوف خدا سے ڈراتے، عام لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھا کرتے لیکن کسی کے ساتھ بداخلاقی سے پیش نہیں آتے تھے۔ اپنے اصحاب کے گھر تشریف لے جاتے اور محفل میں شامل ہونے

والوں کو ان کی شان کے مطابق نوازتے۔لوگوں کے ساتھ ایسا رویہ رکھتے کہ ہر ایک کو لگتا کہ حضور نبی کریم ﷺ میری ہی طرف نظر کرم فرما رہے ہیں۔جب کسی کو اپنے ساتھ بٹھاتے یا پھر کوئی آپ ﷺ کے پاس مسئلہ لے کر آتا آپ ﷺ اس وقت تک بیٹھے رہتے جب تک وہ شخص خود اجازت لے کر نہ چلا جاتا۔اگر کوئی شخص حاجت لے کر آتا تو کسی کو بھی خالی ہاتھ نہ بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ ہمیشہ پھول کی طرح کھلے رہتے۔ آپ ﷺ کا لہجہ نرم اور خوش اخلاق تھا۔بد اخلاقی، سنگدلی، بازاروں میں بلند آواز نہیں کرنا، گالی گلوچ، دوسروں میں عیب تلاش کرنا عرب کے لوگوں میں عام تھا لیکن آپ ﷺ تاحیات ان تمام چیزوں سے پاک رہے۔جس چیز کی ضرورت نہ ہوتی اس کی طرف نہ دیکھتے۔کوئی بھی سائل آپ ﷺ کے پاس آتا تو آپ ﷺ اسے خالی واپس نہ لوٹاتے،ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے۔(سورۃ آل عمران)

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر تبسم کا خوگر کسی کو نہیں دیکھا۔جب کسی کو کسی پریشانی میں مبتلا پاتے تو فوراً اس کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کرتے۔ آپ ﷺ ہر کسی پر نہایت درجہ مہربان تھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کی مدح وثنا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر وسیع القلب گفتگو میں سچے نرم طبیعت والے اور ذرہ نواز تھے،حضور ﷺ کے نزدیک حسن اخلاق کی اتنی اہمیت تھی کہ اپنے لیے حسن اخلاق کی دعائیں کیا کرتے تھے۔(رواہ احمد فی المسند 1/430)

یا اللہ! آپ نے میری بناوٹ کو سنوارا ہے،تو میرے اخلاق بھی سنوار دے اور بد خلقی سے بچنے کی بھی توفیق مانگتے تھے اور یہ دعاء کرتے۔یا اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں برے اخلاق، برے اعمال اور بری خواہشات سے(رواہ الترمذی،رقم الحدیث:6029)

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں(رواہ البخاری،رقم:6029)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:تم سب میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے سب سے قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں

گے۔(ترمذی،رقم:4798)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مؤمن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے روزہ رکھنے والے اور رات بھر عبادت کرنے والے کے درجہ کو حاصل کر لیتا ہے۔(رواہ أبوداؤد،باب فی حسن الخلق،رقم:4798)

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے پھر پورا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو میرے والد ماجد حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواری پر کپڑا بچھایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب لے آئے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار ہو گئے تو والد محترم نے فرمایا: اے قیس! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جاؤ۔ میں ساتھ ہولیا۔ حضرت قیس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم بھی میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے از راہِ ادب انکار کیا تو پھر فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ یا پھر واپس ہو جاؤ۔ چنانچہ میں مجبوراً واپس لوٹ گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر کسی کا اخلاق نہیں تھا، کبھی آپ کے صحابہ یا اہل بیت میں سے کسی نے بلایا تو فوراً تشریف لے جاتے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کبھی بھی مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس آنے سے منع نہیں فرمایا اور جب بھی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ کو تبسم فرماتے ہوئے دیکھا۔ ایک مرتبہ عید کا دن تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے اور سامنے بچے خوشیاں منا رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بچوں کو تنبیہ فرمائی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چھوڑو عمر! ان بچوں کو چھوڑ دو، ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے آج ہماری عید ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوش مبارک سے بات کرنے کی خاطر منہ لگاتا تو آپ سر کو ہرگز پیچھے نہیں ہٹاتے، یہاں تک کہ وہ شخص خود ہٹ جاتا۔ جب بھی کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک کو پکڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنا ہاتھ نہ چھڑایا جب تک وہ خود نہ چھوڑتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنوں سے تو پیار و محبت اور شفقت و ہمدردی کے ساتھ ملتے ہی تھے، جس کی بے شمار مثالیں ہیں، غیر بھی آپ کے رحم و کرم، عفو و درگزر اور خوش خلقی سے محروم نہ رہے۔

بقیہ صفحہ ۱۶ پر

مولانا محمد ہارون



کچھ لوگ زندگی سے رخصت ہوتے ہیں تو صرف ایک انسان نہیں جاتا، اپنے ساتھ زندگی کا ایک پورا عہد لے جاتا ہے۔

مولانا عبدالحفیظ امیر پوری رحمۃ اللہ علیہ بھی میرے لیے ایسے ہی انسان تھے۔ان کے انتقال کی خبر سنتے ہی دل جیسے اپنی جگہ ٹھہر سا گیا۔ذہن نے خبر سن لی، مگر دل ابھی تک اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے زندگی کی کتاب کا کوئی ایسا صفحہ اچانک پھٹ گیا ہو جس پر برسوں کی رفاقت، بے شمار یادیں، ہنسی کے کتنے ہی لمحے اور ایک ساتھ گزارے ہوئے زمانے کی پوری داستان لکھی تھی۔

مولانا میرے چچازاد بھائی تھے، لیکن ہمارا تعلق محض خونی رشتے تک محدود نہیں تھا۔زمانۂ طالب علمی میں تقریباً چار پانچ سال ہم مسلسل ایک ساتھ رہے۔اگرچہ وہ مجھ سے ایک درجے آگے تھے، لیکن قربت ایسی تھی کہ تعلیمی زندگی کے وہ برس ہماری مشترکہ یادوں کا حصہ بن گئے۔درجہ رابعہ سے دورہ حدیث تک علیحدہ مدرسے میں پڑھنے کی وجہ سے کچھ فرقت پیدا ہوگئی لیکن اس فرقت کو بھی ختم کرنے کیلئے اکثر میل ملاقات کی ترتیب بنالی جاتی تھی، پھر 2009ء میں وہ تشکیل کے سلسلے میں ہمارے پاس القلم میں آگئے۔اس کے بعد سے اب تک ہماری رفاقت کا سلسلہ جاری رہا۔

جب زندگی کے اتنے طویل عرصے پر نگاہ ڈالتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ اپنے گھر والوں اور سگے بھائیوں کے علاوہ میری زندگی میں شاید ہی کوئی رشتہ دار اتنے طویل عرصے تک، اتنے قریب اور اس تسلسل کے ساتھ میرے ساتھ رہا ہو۔وہ میرے لیے صرف ایک کزن نہیں تھے، وہ میرے زمانۂ

طالب علمی کے ساتھی، عملی زندگی کے ہم سفر، روزمرہ کی مصروفیات کے شریک اور میری زندگی کے ایک طویل باب کے کردار تھے۔

اب وہ نہیں رہے تو احساس ہو رہا ہے کہ انسان بعض رشتوں کی اہمیت ان کے ہوتے ہوئے بھی جانتا ہے، مگر ان کے بچھڑ جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری زندگی کے اندر کتنی گہرائی تک اُتر چکے تھے۔

مولانا کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو اُن کی بذلہ سنجی، حاضر جوابی اور ذہانت تھی۔ وہ محفل میں موجود ہوں تو اُن کی باتوں سے زندگی کا احساس پیدا ہوتا تھا۔ بات کرنے کا اپنا انداز تھا، موقع محل کی مناسبت سے ایسی بات کہہ جاتے کہ بے اختیار ہنسی آجاتی۔ ان کی گفتگو میں ایک فطری دل کشی تھی۔ وہ محض ذہین نہیں تھے، ذہانت کو برتنے کا سلیقہ بھی جانتے تھے۔

لیکن ان کی سب سے بڑی خوبی شاید ان کی خوش اخلاقی تھی۔ بعض لوگ اپنی علمیت سے متاثر کرتے ہیں، بعض اپنے عہدے سے، بعض اپنے مال و دولت سے، مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے اخلاق، اپنے لہجے اور اپنے برتاؤ سے دلوں میں جگہ بناتے ہیں۔ مولانا عبدالحفیظ رحمۃ اللہ علیہ انہی لوگوں میں سے تھے۔ اُن کی باتوں میں دل موہ لینے والی اپنائیت تھی۔ وہ لوگوں سے تعلق بنانا جانتے تھے۔ ان کی شخصیت میں ایسی بے ساختگی تھی جو بناوٹی نہیں ہوتی اور ایسا خلوص تھا جسے کسی تعارف یا وضاحت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ آج اُن کی یاد آرہی ہے تو صرف ان کا چہرہ ہی نہیں، ان کا اندازِ گفتگو، ان کی حاضر جوابی اور وہ بے شمار چھوٹے چھوٹے لمحے بھی یاد آتے جا رہے ہیں جن کی اہمیت شاید اس وقت اتنی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

کاش! انسان کو معلوم ہو کہ اس کی زندگی کے بعض معمول کے دن ایک روز اس کی سب سے قیمتی یادیں بن جائیں گے، تو شاید وہ ان لمحوں کو کچھ اور دیر تھام کر رکھے۔

مولانا کی شخصیت کا ایک اہم پہلو اُن کی کالم نگاری، کہانی نویسی اور ادارتی زندگی بھی تھا۔ وہ محض زندگی کو دیکھنے اور محسوس کرنے والے انسان نہیں تھے، بلکہ اپنے احساسات، مشاہدات اور خیالات کو لفظوں کا روپ دینے کا ہنر بھی رکھتے تھے۔ ان کے اندر ایک ذہین لکھنے والے کی خوبیاں موجود

تھیں، حالات و واقعات کو سمجھنا، بات کی تہہ تک پہنچنا اور اپنے انداز میں اسے بیان کرنا اُن کی شخصیت کا حصہ تھا۔ القلم میں 2009ء سے قائم رہنے والی ہماری رفاقت محض ایک ادارے میں ساتھ کام کرنے کا تعلق نہیں تھی، بلکہ یہ ایک مشترکہ علمی و ادبی سفر بھی تھا۔ اس سفر میں قلم، تحریر، کہانی، کالم اور ادارتی ذمہ داریوں سے جڑے کتنے ہی لمحے ہماری یادوں کا حصہ بن گئے۔ آج جب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ صرف ایک عزیز رخصت نہیں ہوا، بلکہ اس ادبی و ادارتی سفر کا ایک ہم سفر بھی بچھڑ گیا ہے جس کے ساتھ برسوں کی شناسائی تھی۔ ان کے قلم سے وابستہ یادیں، ان کی تحریری صلاحیتیں اور ان کے ساتھ گزرے ہوئے ادارتی دن اب ماضی کا سرمایہ ہیں۔ زندگی کی بے شمار مصروفیات میں شاید ہم نے کبھی یہ سوچا بھی نہ ہو کہ ایک دن یہی مشترکہ کام اور معمول کی گفتگو ہماری یادوں کی قیمتی متاع بن جائیں گے۔ آج دل چاہتا ہے کہ وہ پھر سامنے بیٹھے ہوں، کوئی نئی بات ہو، کسی تحریر پر گفتگو ہو، کسی خیال پر اختلاف یا اتفاق ہو اور ان کی حاضر جوابی سے محفل میں زندگی لوٹ آئے۔ مگر اب ان کی یاد ہے، ان کا قلمی سفر ہے اور ان کے لیے دعاء کرنے والا ایک دل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی و ادبی کاوشوں کو قبول فرمائے، ان کی تحریروں میں موجود خیر کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین

مولانا ذہین بہت تھے۔ ان کی صلاحیتوں کا اعتراف ان کے ساتھ پڑھنے والے، رہنے اور ملنے جلنے والے بخوبی کر سکتے ہیں۔ مگر زندگی نے ہر ذہین انسان کے لیے آسان راستے کہاں چھوڑے ہیں! ذہانت اپنی جگہ، حالات اپنی جگہ، صلاحیت اپنی جگہ، وسائل اپنی جگہ۔

وہ مالی اعتبار سے کبھی اس استحکام تک نہ پہنچ سکے جس کی ایک انسان اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے لیے تمنا کرتا ہے۔ زندگی کی ضروریات، بچوں کی پرورش اور گھر کی ذمہ داریوں نے انہیں مسلسل محنت پر مجبور رکھا۔ عمر کے آخری برسوں میں وہ شام کے اوقات میں رکشہ بھی چلایا کرتے تھے، تاکہ اپنے بچوں کے لیے رزقِ حلال کی تگ و دو کر سکیں۔

یہ منظر یاد آتا ہے تو دل میں کئی احساسات ایک ساتھ جنم لیتے ہیں۔

ایک طرف اُن کی ذہانت اور صلاحیتیں یاد آتی ہیں، دوسری طرف وہ حالات جن میں انہیں اپنے

بچوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے محنت کرنا پڑی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ رکشہ چلانا ان کے لیے کسی کمتری کی علامت نہیں تھا، یہ اُن کے کردار کی بلندی اور اپنے خاندان کے لیے ذمہ داری اُٹھانے کی دلیل تھی۔

رزقِ حلال کی تلاش میں نکلنے والا باپ، چاہے کسی دفتر میں بیٹھا ہو یا سڑک پر رکشہ چلا رہا ہو، اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے ایک ہی جنگ لڑ رہا ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھوں کی محنت میں محبت ہوتی ہے، اس کی تھکن میں ذمہ داری ہوتی ہے اور اس کی کمائی کے ہر جائز لقمے میں ایک خاموش قربانی چھپی ہوتی ہے۔

مولانا نے بھی یہ زندگی گزاری۔ انہوں نے حالات کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا، بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق محنت کی۔ اُن کی یہ جدوجہد ان کی زندگی کا ایسا پہلو ہے جسے یاد کرتے ہوئے دل اُن کے لیے دعاءگو رہتا تھا۔

ہم دنیا میں کامیابی کا اندازہ اکثر مال، منصب اور ظاہری آسودگی سے لگاتے ہیں، مگر کیا معلوم کہ ایک محنت کش باپ کی وہ کمائی، جسے دنیا معمولی سمجھتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنی قدر رکھتی ہو! مجھے امید ہے کہ اپنے بچوں کے لیے کی گئی ان کی محنت اور حلال رزق کی کوششیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے اجر و رحمت کا ذریعہ بنیں گی۔

مولانا کی شخصیت کا ایک اور پہلو ایسا تھا جو اُن کی یاد کے ساتھ بار بار میرے ذہن میں اُبھرتا ہے: اُن کا اپنے رب سے تعلق اور اس کی رحمت سے وابستہ اُمیدیں۔

وہ بڑی بڑی چیزیں اپنی دعاؤں میں مانگا کرتے تھے۔ ان کی تمناؤں کا دائرہ وسیع تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت کچھ مانگتے اور پورے یقین کے ساتھ مانگتے تھے۔ کبھی کوئی ہنسی مذاق میں کہہ دیتا کہ اتنا کچھ مانگتے ہو، یہ سب کچھ کیسے ملے گا؟ تو ان کا جواب ہوتا:

”مجھے پکی امید ہے کہ یہ سب کچھ مجھے ملے گا۔“

یہ جملہ آج یاد آتا ہے تو دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

دنیا کے حساب کتاب میں انسان اپنی آمدنی، وسائل، حالات اور امکانات کو سامنے رکھ کر اپنی

خواہشوں کی حد مقرر کرتا ہے، لیکن دعاء کی دنیا میں بندہ اپنے رب کی رحمت سے امید باندھتا ہے۔ وہاں سوال یہ نہیں ہوتا کہ میرے پاس کیا ہے، بلکہ یہ ہوتا ہے کہ میرا رب کتنا دینے والا ہے۔

مولانا کی بہت سی دعائیں بظاہر دنیا میں پوری نہ ہوسکیں۔ ان کی تمناؤں اور زندگی کے حالات کے درمیان ایک فاصلہ باقی رہا۔ وہ سب کچھ حاصل نہ کرسکے جس کی آرزو رکھتے تھے۔ بعض خواب ادھورے رہے، بعض خواہشیں دل ہی میں رہ گئیں اور بعض امیدوں کو دنیا میں وہ صورت نہ مل سکی جس کا وہ انتظار کرتے تھے۔

لیکن اب جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں تو اُن کی وہ دعائیں یاد کرکے دل یہی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ اپنی رحمت کا ایسا معاملہ فرمائے جس سے ان کی ہر محرومی کا ازالہ ہو جائے۔

اُن کے جانے کے بعد میری بھی ایک تمنا ہے کہ جن تمناؤں کے لیے وہ دنیا میں دعائیں مانگتے رہے، ان سے کہیں بہتر انعامات اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں تیار کر رکھے ہوں! دنیا میں جن خواہشوں کی تکمیل ان کے حصے میں نہ آئی، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں ان سے کہیں بڑھ کر عطاء فرمادے!

یہ سب غیب کی باتیں ہیں۔ کسی کے انجام کے بارے میں قطعی دعویٰ کرنا ہمارے بس میں نہیں۔ مگر اللہ کی رحمت سے امید رکھنا، اس کے حضور مغفرت کی دعاء کرنا اور اس کے فضل کا طلب گار ہونا تو ہمارے اختیار میں ہے۔

سو، آج اپنے پیارے عزیز کے لیے دل سے یہی دعاء نکلتی ہے کہ یا اللہ! آپ کے اس بندے نے دنیا میں آپ سے بہت کچھ مانگا تھا، اپنی امیدوں کے ساتھ آپ کے در پر آتا تھا، آپ کی عطاء پر یقین رکھتا تھا۔ اب وہ آپ کے حضور حاضر ہے۔ تو اس کے ساتھ اپنے فضل و کرم کا معاملہ فرمائیے، اس کی لغزشوں سے درگزر فرمائیے، اس کی نیکیوں کو قبول فرمائیے اور اسے وہ عطاء فرمادیجئے جو دنیا کی تمام محرومیوں سے بڑھ کر ہو۔

موت کی خبر سننا ایک بات ہے اور کسی اپنے کے نہ رہنے کو محسوس کرنا دوسری بات۔ خبر چند لفظوں میں مل جاتی ہے، مگر اس کے معنی سمجھنے میں دل کو مدت لگ جاتی ہے۔

مولانا کے بارے میری یہی کیفیت ہے۔ ذہن جانتا ہے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے، لیکن برسوں کی رفاقت دل کو بار بار اسی پرانی دنیا میں لے جاتی ہے، جہاں وہ ہمارے ساتھ تھے، باتیں کرتے تھے، ہنستے تھے، اپنی حاضر جوابی سے محفل کو زندہ رکھتے تھے اور زندگی کے معمولات میں شریک رہتے تھے۔

اب نہ اُن سے ملاقات ہوگی، نہ وہی گفتگو ہوگی، نہ ان کے انداز میں کہی ہوئی کوئی نئی بات سننے کو ملے گی۔ روزمرہ زندگی میں کتنے ہی مواقع ایسے آئیں گے جب بے اختیار اُن کا خیال آئے گا۔ دفتر القلم میں موجود اُن کی نشست کی طرف بار بار بے ساختہ نگاہیں اُٹھیں گی، کوئی بات یاد آئے گی تو دل چاہے گا کہ انہیں سناؤں، کوئی پرانی یاد تازہ ہوگی تو جی چاہے گا کہ ان کے ساتھ بیٹھ کر اس پر ہنس لوں، مگر پھر اچانک احساس ہوگا کہ جس شخص کو یہ سب سنانا تھا، وہ تو رخصت ہو چکا ہے۔

شاید جدائی کا سب سے گہرا دکھ یہی ہے کہ یادیں باقی رہ جاتی ہیں، مگر اُن یادوں میں شریک ہونے والا انسان سامنے نہیں رہتا۔

زندگی کا ایک پورا زمانہ ہمارے ساتھ گزارنے والا شخص جب چلا جاتا ہے تو اس کے ساتھ صرف ماضی کا ایک کردار نہیں جاتا، ہمارے حال کا ایک حصہ بھی خالی ہو جاتا ہے۔ اس کی عدم موجودگی آنے والے دنوں میں بار بار محسوس ہوتی ہے اور تب سمجھ آتا ہے کہ کچھ لوگ ہماری زندگی میں کتنی خاموشی سے مگر کتنی گہری جگہ بنا لیتے ہیں۔ مولانا عبد الحفیظ رحمۃ اللہ علیہ بھی میرے بھائی مولانا مامون رحمۃ اللہ علیہ کے بعد میرے لیے ایسے ہی شخص بن گئے تھے۔

مولانا! آپ کی جدائی نے دل کو ایک ایسے دکھ سے آشنا کر دیا ہے جسے الفاظ میں پوری طرح بیان کرنا ممکن نہیں۔ ہم نے زندگی کے کتنے ہی برس ایک ساتھ گزارے۔ طالب علمی کے دنوں سے لے کر عملی زندگی کی مصروفیات تک رفاقت رہی۔ اس طویل سفر میں کتنی باتیں ہوئیں، کتنے موسم بدلے، کتنے حالات آئے اور کتنی یادیں جمع ہوتی رہیں۔ کبھی سوچا نہ تھا کہ یہ رفاقت ایک دن یوں اچانک یادوں میں بدل جائے گی۔

آپ کی ذہانت، بذلہ سنجی، حاضر جوابی، خوش اخلاقی اور اپنے رب سے امید بھرا تعلق، سب یاد آئے گا۔

آج دل بہت اداس ہے۔ ابھی ذہن و دل اس سانحے سے سنبھل نہیں پائے۔ بہت سی باتیں

ہیں جو لکھنا چاہ رہا ہوں، لیکن دھندلائی آنکھیں لکھنے نہیں دے رہیں۔ بہت سی یادیں ہیں جنہیں شاید اب تنہا ہی یاد کرنا پڑے گا۔ مگر ایک بات ہے جس پر دل مطمئن رہنے کی کوشش کر رہا ہے:

مولانا! آپ اور ہم اس رب کے بندے ہیں جس کی رحمت ہماری خطاؤں سے بڑی اور جس کا فضل ہماری امیدوں سے وسیع ہے۔ آپ کی زندگی کا سفر دنیا میں مکمل ہوگیا، لیکن ہماری زندگی اور آپ کی یاد کا سفر ابھی باقی ہے۔

اللہ کرے کہ آپ کی قبر راحت وسکون کی جگہ بنے، آخرت کی منزلیں آسان ہوں، نامۂ اعمال میں نیکیوں کا وزن بڑھ جائے اور اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے عفو وکرم سے ڈھانپ لے۔ آپ کی اولاد کے لیے آسانیاں پیدا فرمائے، انہیں نیک، صالح اور آپ کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے اور تمام اہلِ خانہ کو اس جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کی ہمت عطاء فرمائے۔

مولانا عبدالحفیظ امیر پوری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں یہ چند سطریں لکھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ بعض جدائیاں انسان کو زندگی کی حقیقت پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ سمجھا دیتی ہیں۔ ہم سب ایک سفر پر ہیں، کسی کی منزل پہلے آجاتی ہے، کسی کی بعد میں۔ ساتھ چلنے والے بچھڑتے رہتے ہیں اور پیچھے رہ جانے والوں کے حصے میں یادیں، دعائیں اور انتظار رہ جاتا ہے۔

ہم اپنے مرحومین کے لیے جو سب سے قیمتی تحفہ پیش کر سکتے ہیں، وہ خلوصِ دل سے کی جانے والی دعاء ہے۔ اسی لیے آج اپنے اس عزیز کے لیے دل سے دعاء گو ہوں:

یا اللہ! مولانا عبدالحفیظ امیر پوری کی کامل مغفرت فرما۔ ان پر رحم فرما، ان کی قبر کو روشن اور کشادہ فرما، ان کی تمام لغزشوں سے درگزر فرما، ان کی نیکیوں کو قبول فرما، ان کی محنتوں کو اجر میں بدل دے اور ان کی تمام محرومیوں کا اپنی رحمت سے بہترین بدل عطاء فرما۔ ان کے درجات بلند فرما، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرما اور ان کی اولاد و اہلِ خانہ کو ان کے لیے صدقۂ جاریہ بنا دے۔

یارب! جس شخص نے دنیا میں آپ سے اتنی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں، اب اس کی امیدوں کا معاملہ آپ کے سپرد ہے۔ اپنے فضل سے اسے مایوس نہ فرما۔

ایں دعاء از من و از جملہ جہاں آمین باد

مولانا زبیر طیب



اللہ تعالیٰ اہل فلسطین کی مدد ونصرت فرمائیں! اللہ تعالیٰ اہل غزہ کو استقامت اور ثابت قدمی نصیب فرمائیں اور اللہ تعالیٰ اہل غزہ کو تمام امت مسلمہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائیں۔آمین

عظیم الشان "طوفان الاقصیٰ"

بالآخر 7اکتوبر 2023 کے عظیم الشان معرکے کو تین سال گزر گئے۔غزہ کی سرزمین سے اٹھنے والے اس صدی کے سب سے حیران کن معرکہ "طوفان الاقصیٰ" نے باطل کے ایوانوں میں ہلچل مچادی۔ ایک ایسی صبح جس نے طاقت کے نشے میں چور صہیونی ریاست کے غرور کو پاش پاش کر دیا اور پھر شام ڈھلتے ڈھلتے ایسے مناظر دنیا نے دیکھے جنہوں نے پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔آج جب مغرب کے ایک بڑے اور معتبر جریدے "نیوز ویک" نے اپنے ٹائٹل پیج پر لکھا" آج حماس نے سب کچھ کھو دینے کے بعد بھی اصل جنگ جیت لی ہے" تو اس پر کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔اس جنگ نے سو برسوں کے معاہدوں اور پلان کیے گئے ارادوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ پوری دنیا میں اسرائیل کو دیکھنے، اور اس کے بارے میں رائے قائم کرنے کے انداز میں ایک مستقل تبدیلی، بالخصوص ان لوگوں اور معاشرے میں بھی جو اس کے اتحادی شمار ہوتے تھے۔آج یہودی پوری دنیا میں "قابل نفرت" ہو چکے اور اسرائیل کی نام نہاد صلاحیت، اس کی خوفناک ٹیکنالوجی کا بھوت اور اس کی افواج کا جھوٹا رعب سب زمین بوس ہو چکا ہے۔فللہ الحمد

آج ہم اسی ضمن میں کچھ باتوں کا خلاصہ کریں گے۔کیونکہ اس معرکہ میں امت مسلمہ کے لیے بڑا بہترین سبق ہے۔خصوصاً آج کل کے حالات کے مطابق اس پر غور وفکر کیا جانا نہایت ضروری ہے۔

اسرائیل کو غزہ سے چاہیے کیا؟

اس بات کو مختصراً سمجھتے ہیں۔ اسرائیل ایک قابض ریاست ہے اس کو ایک سازش کے تحت یہاں اس خطے میں لا کر بسایا گیا۔ پوری دنیا کے سرمایہ دار اور مذہبی یہودیوں نے ایک عظیم یہودی ریاست کا خواب دیکھا جو بہت بڑی ہے۔ جس کی سرحدیں عراق و شام کا بیشتر حصہ، اردن اور اس کے گرد و نواح کا سارا علاقہ وہ اپنی سرحد میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے اپنی اس ریاست کی توسیع کے لیے کاروائیوں کا آغاز کرتا ہے اس کے راستے میں سب سے پہلی رکاوٹ فلسطینی مسلمان تھے۔ وہ مسلمان جو صدیوں سے اپنے آباؤ واجداد کے ساتھ یہاں رہ رہے تھے۔ جو خود کو بیت المقدس کا محافظ بھی کہتے ہیں۔ پہلے پہل بات چیت اور اپنی پالیسیوں سے اس نے زمین ہڑپ کرنا شروع کی اور مسلمانوں کو ان کی زمینوں اور گھروں سے بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے مزاحمت شروع کی اور پھر بات بات بڑھتے بڑھتے مسلح جدوجہد تک آن پہنچی۔ ایک جماعت کھڑی ہوئی اور اس نے شدید مزاحمت شروع کر دی اور دوسری طرف سے اسرائیل نے بھی اپنے تباہ کن ہتھیاروں کا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور یوں ظلم و جبر اور محاصرے کا ایک طویل دور شروع ہوا۔ بات ''غزہ'' تک آ کر رک گئی۔ اہل غزہ کسی صورت ہتھیار ڈالنے اور اپنی زمین حوالے کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ یہ تو پس منظر تھا۔

اسرائیل کو کیا چاہیے؟ اسرائیل کو درحقیقت یہ ساری زمین چاہیے اور بیت المقدس پر مکمل اختیار تاکہ وہ اپنے توسیع پسندانہ عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔ اس کے لیے اس نے غزہ کے عوام کو ہر طرح سے بہکانے کی کوشش کی، ہر طرح کا لالچ دیا، ان کی آبادی کو دوسرے ملکوں میں باقاعدہ شہریت دے کر رہائش اختیار کرنے کی پیشکش کی۔ انہیں ہر طرح سے خریدنے کی کوشش کی صرف اس لیے کہ وہ بیت المقدس پر کنٹرول حاصل کر کے یہ ساری زمین ہتھیانا چاہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اگر یہ فلسطینی عرب مسلمان یہاں آباد رہے تو وہ کبھی بھی اپنے ان عزائم کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا۔ اہل غزہ کے منع کرنے پر اُس کے لیے اس نے دنیا کے سارے قوانین کو بالائے طاق رکھ کر ظلم و بربریت کی انتہا کر دی اور جب اس نے دیکھا کہ پوری دنیا اس ظلم پر خاموش ہے اور آس پاس کے عرب ممالک کی طرف سے بھی کوئی مزاحمت نہیں ہوئی تو اس نے اس پورے علاقے کو ایک محاصرہ بند جیل میں بدل دیا۔ پانی بند کر دیا، راستوں پر قدغن لگا دی، خوراک پر پابندی لگا دی، پوری دنیا سے غزہ کو کاٹ دیا تاکہ وہ لوگ ہار مان جائیں۔ لیکن

قربان جاؤں ان تمام صعوبتوں اور تکلیفوں کے باوجود وہ ایک انچ زمین بھی حوالے کرنے کو تیار نہ ہوئے اور انہوں نے اپنے موجود وسائل کے مطابق دنیا کے اس بدمست ہاتھی کو کیسے روکا یہ ایک الگ داستان ہے۔ وہ جو ہزاروں کلومیٹر طویل سرحد بنانے کا خواب دیکھ رہا تھا وہ چند کلومیٹر کا علاقہ بھی فتح نہ کر سکا۔ غزہ کے لوگ وہیں رہتے ہیں جہاں وہ پہلے رہتے تھے اور اب بھی ان کا بچہ بچہ اپنی سرزمین چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کرتا۔ ان میں سے کچھ لوگ جو کسی وجہ سے باہر چلے گئے تھے وہ واپس جانے کو بے تاب ہیں ان میں سے کوئی بھی اپنی سرزمین چھوڑنے پر کسی قیمت پر راضی نہیں۔

طوفان الاقصیٰ کیوں کیسے اور کس طرح؟

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس قدر طویل محاصرے، تکلیف اور مصائب میں گھرے ہوئے، وسائل کا دور دور تک کوئی امکان نہیں اور پھر اس قدر حیرت انگیز معرکہ؟ آخر کس طرح؟ حماس کے رہنما اسامہ حمدان کہتے ہیں کہ کچھ عرصے بعد یا کبھی بعد میں یا جب کبھی ایک وقت آئے گا کہ لوگ کہا کریں گے "اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو جنہوں نے "طوفان الاقصیٰ" کا معرکہ سر انجام دیا" کیونکہ یہ اسرائیل کے خاتمے کی بنیاد ہے۔ یہ وہ معرکہ ہے جس نے اسرائیل کے خاتمے کی پہلی سطر لکھی۔ کہتے ہیں ہم نے تین بنیادی چیزوں کا خاص التزام کیا۔ یہ باتیں ہم سب کے لیے پڑھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہیں۔ کہتے ہیں:

(۱) پہلا یہ کہ ہم نے اپنی بساط بھر کوشش کی کہ "واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ" پر عمل کریں۔ یعنی جہاں تک ہو سکے ان کے مقابلے کے لیے طاقت تیار رکھو، یہ نہیں فرمایا کہ اُن کے برابر، اُن کے مساوی یا اُن پر غالب آجانے والی زبردست قوت تیار کرو بلکہ کہا "جہاں تک ہو سکے" چنانچہ ہم نے اپنی استطاعت کے مطابق تیاری کی۔

(۲) دوسرا یہ کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کیا کہ اُن سے "قتال" کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد کرو، تم اپنی جان کے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں" ہم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کیا اور پھر فرمایا کہ مومنین کو بھی قتال پر ابھارو۔ چنانچہ ہم نے پوری امت کو اس بات کی دعوت دی کہ ہماری ساتھ مل کر لڑو۔

(۳) تیسری بات یہ کہ ہمارا ہدف واضح رہے اور اس پر ڈٹے رہنا ہے اور اس پر ثابت قدمی اختیار کرنی ہے۔ چاہے حالات جیسے بھی پیش آجائیں اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا ممکن ہی نہیں۔ "فتح یا شہادت"

صرف یہی دو ہی راستے ہیں تیسرا کوئی راستہ نہیں۔ چنانچہ اگر ہم اپنی نیت، اخلاص، قربانی اور تیاری میں سچے رہے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ضرور کامیابی سے ہمکنار فرمائیں گے۔

ہم نے صحابہ کرام کو صرف پڑھا ہے لیکن انہیں دیکھا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کروڑوں رحمتیں نازل کریں ان گمنام مجاہدین پر جنہوں نے خالصتاً اللہ تعالیٰ کے بھروسے صحابہ کرام والا عمل زندہ کر کے دکھادیا۔ حماس کے ایک عسکری رہنما کہتے ہیں کہ 6 اکتوبر کی رات جماعت کے صرف دو یا تین ارکان کو معلوم تھا کہ صبح ایک بڑے معرکے کا آغاز کرنا ہے۔ چنانچہ معرکے سے صرف چار گھنٹے قبل کم وبیش 1400 مجاہدین کو اچانک اطلاع دی گئی کہ صبح یہ معرکہ برپا کرنا ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی کسی ضروری کام سے جانا چاہے تو بغیر اطلاع اور وجہ بتائے وہ جاسکتا ہے۔ اس کا نام بھی ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ کسی کو بھی مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ ہمارے ساتھ اس معرکے میں شریک ہو۔ تو آپ یقین جانیں 1400 میں سے کسی ایک نے بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اکثر تو اپنے گھر والوں کو الوداع بھی نہ کہہ سکے اور قیادت کے ایک حکم پر مکمل تیاری کے ساتھ وہ سب کے سب معرکے کے لیے حاضر ہو گئے۔ حالانکہ وہ سب جانتے تھے کہ اب ان میں سے شاید کوئی ایک بھی واپس اپنے گھر نہ لوٹ پائے گا۔

چھانٹی ہو گئی!!

اللہ تعالیٰ زمین پر جب اپنے ماننے والوں میں سے کسی کو شدید ترین آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں تو درحقیقت یہ اُن آزمائش والوں کا امتحان تو مقصود ہوتا ہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ بقیہ امت کا بھی امتحان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ماننے اور جاننے والے تو اس روئے زمین پر اربوں ہیں لیکن اُن میں سے سچے اور کھرے کون ہیں اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ''آزمائش'' ہی سے ممکن بنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو شدید ترین آزمائش میں مبتلا کرتا ہے اور پھر دیکھتا ہے کہ اب اس کا ردعمل میرے بارے میں کیا ہے؟ چنانچہ وہاں چھانٹی ہو جاتی ہے۔ طوفان الاقصیٰ کا یہ معرکہ ''امت مسلمہ'' کے لیے بھی ایک ٹیسٹ کیس تھا۔ جس میں پاس اور فیل دونوں کی چھانٹی ہونا تھی۔ چنانچہ جب یہ معرکہ بپا ہوا اور اسرائیل نے جوابی کاروائی کا آغاز کیا تو بقیہ امت میں تین طرح کے گروہ بن گئے۔

(۱) یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اہل غزہ کے ''طوفان الاقصیٰ'' کی شدید مخالفت کی۔ انہوں نے اس اقدام کو سراسر خودکشی تصور کیا اور کہا کہ انہوں نے حماقت اور بے وقوفی کا ثبوت دیا ہے۔ اپنی عوام کو ایک ایسی

جنگ میں جھونک دیا ہے جس میں سراسر تباہی ہے۔ انہیں اس وقت اقدام کرنا چاہیے تھا جب ان کے پاس اسرائیل سے لڑنے کی طاقت موجود ہوتی۔ اسرائیل تو ایسا ملک ہے جس کے پاس جنگی جہاز، ایٹمی ہتھیار، ٹینک، ڈرونز اور دنیا کا ہر تباہ کن ہتھیار وافر مقدار میں موجود ہے جس کے پاس دنیا کی ہر ٹیکنالوجی موجود ہے۔ جبکہ ان کے پاس کھانے کو روٹی نہیں، لڑنے کو ہتھیار نہیں، باقاعدہ فوج نہیں، وسائل نہیں، کرنسی نہیں، آس پاس کوئی اتحادی نہیں۔ یہ سب جاننے کے باوجود انہوں نے اسرائیل جیسی بڑی طاقت جس کی پشت پر امریکہ جیسی سپر پاور ہے سے خوامخواہ پنگا لے لیا ہے اور اب یہ ملیا میٹ ہو جائیں گے، تباہ و برباد ہو جائیں گے اور اسرائیل ان پر چڑھ دوڑے گا اور یہ ایک ماہ بھی اگر کھڑے رہے تو یہ معجزہ ہوگا۔ چنانچہ اس بیانیہ کو لے کر امت مسلمہ کا ایک طبقہ بالکل الگ ہو گیا۔ مدد کرنا تو دور کی بات باقاعدہ تنقید اور ملامت کی گئی۔

(۲) دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے خاموشی اختیار کی۔ یہ وہ لوگ تھے جو نا تو حماس کو حق پر سمجھتے تھے اور نہ ہی اسرائیل کو صحیح گردانتے تھے۔ انہوں نے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ وہ اپنے معاملات میں مصروف رہے۔ ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں رہا کہ غزہ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ اسرائیل کے ظلم و بربریت کے بارے میں کوئی بات کہنی ہے یا نہیں۔ وہ دیکھتے رہے مگر انہوں نے نہ تو زبانی نہ عملی اور نہ ہی کوئی ایک طرف ہونے کو ترجیح دی۔ وہ اس پورے قضیے میں مکمل خاموش رہے۔ جیسے یہ ان کا مسئلہ ہی نہیں۔ فلسطین والے جانے اور اسرائیل جانے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہیں کریں۔ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔

(۳) تیسرا طبقہ ان لوگوں کا تھا جنہوں نے غزہ اور حماس کی کھل کر حمایت کی۔ حماس کے اس اقدام کو دور اندیش قرار دیا اور ان کے اس اقدام کو نہ صرف سراہا بلکہ جس قدر ممکن ہو سکا مالی، بدنی مدد کی اور انہیں اپنی دعاؤں میں معمول کا حصہ بنا لیا۔ خواتین نے غزہ کے لیے اپنے زیور تک بیچ ڈالے، وہاں وسائل کے محدود ہونے کے باوجود ہر ممکن امداد فراہم کرنے کی مسلسل کوششیں کی جاتی رہیں۔ اس طبقے کے لوگوں نے اسرائیل کی بنی غذائی اجناس اور تمام پروڈکٹس کا زبردست بائیکاٹ کیا۔ پوری دنیا میں احتجاج ریکارڈ کروایا، کئی لوگوں نے ان تک امداد پہنچانے کی خاطر سمندر عبور کیے۔ وہ اُن کی خوشی میں خوش ہوتے اور اُن کی غمی میں غمگین ہو جاتے۔ اُن کی آنکھیں حالات کو دیکھ کر نم ہوتیں اور اُن کے دل غزہ والوں کی حالتِ

زار دیکھ کر لرز جاتے۔ راتوں کو اٹھ کر اُن کے لیے دعائیں کرتے۔ جیلوں سے رہا ہوتے قیدیوں کو دیکھ کر فرطِ مسرت سے اُن کے گال دمکنے لگتے۔ جیسے گویا بہت قریبی کوئی اُن کے اپنے ''رہائی'' پا رہے ہوں۔ اُن کے اصل ہیرو ابوعبیدہ شہید اور سنوار شہید ہوئے۔ چنانچہ یہ طبقہ اُن کے ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ اب غزہ کی بحالی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔ الحمدللہ

چھانٹی ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آزمائش ایک کسوٹی ہے جس کے ذریعے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے یہاں تک کہ دنیا والے بھی دیکھ لیتے ہیں کہ کھرا کون ہے اور کھوٹا کون ہے۔ بس ہوشیار باش!

آہ مولانا عبدالحفیظ امیرپوری رحمۃ اللہ علیہ

میرے 15 برس کے رفیقِ کار اور دلعزیز ساتھی بالآخر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ اُن کی کامل مغفرت فرمائیں۔ ایک بہت طویل عرصہ ساتھ گزرا۔ خوش گفتار اور ہنس مکھ ساتھی تھے۔ بے تکلفی تھی اور آپس میں محبت اور شفقت کا تعلق تھا۔ ہم دونوں چونکہ لکھنے لکھانے کے شعبے سے وابستہ تھے اس لیے ہم آپس میں کبھی ایک دوسرے سے مزاحاً تذکرہ کرتے تھے کہ ہمارے جانے کے بعد کون ہمارے بارے میں کیا لکھے گا؟ اور پھر بہت مزیدار شگوفے سننے کو ملتے اور ہم قہقہہ مار کر ہنس دیتے۔ پھر وعدہ بھی لیتے کہ کم از کم تم کچھ نہ لکھنا۔ وہ چلے گئے اور میں ابھی یہیں ہوں۔ اس لیے بس کچھ نہیں لکھ رہا۔ ہاں اُن کے جانے پر دل غمگین ضرور ہے لیکن وہ ایمان کی سلامتی کے ساتھ گئے اُس پر اطمینان ہے الحمدللہ۔ دفتر میں اب ایک کرسی خالی ہو جائے گی مگر کام چلتا رہے گا کسی کے جانے سے کام کب رکتا ہے۔ وہ اپنی تلخ اور تھکا دینے والی زندگی کے باوجود دین کے کاموں میں مشغول رہے۔ بس پیارے رب! آپ اُن پر اپنا کرم فرما دیجئے اور اُن کی تمام منازل کو آسان فرما دیجئے یہاں تک کہ ہم بھی آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہو جائیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، اناللہ وانا الیہ راجعون



مولانا محمد نعمان خلیل



حسنِ ظن.....اور حسنِ خاتمہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا اللہ تعالیٰ پر ایمان کا لازمی حصہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ بِاللهِ الظَّنَّ" (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۸۷۷)

ترجمہ: تم میں سے کسی شخص کا انتقال نہ ہو مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھتا ہو۔

یعنی مؤمن کی زندگی کے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن بڑھ جانا چاہیے... جب اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب آئے تو اللہ تعالیٰ سے رحمت اور مغفرت کی امید پہلے سے زیادہ ہو جائے۔ اس حسنِ ظن کی برکت سے حسن خاتمہ نصیب ہو جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا یہ مبارک ارشاد گرامی بھی اس وقت کا ہے، جب آپ ﷺ کی اپنے رب سے ملاقات کا وقت قریب تھا، آپ ﷺ مرض الوفات میں تھے اور اس فانی دنیا سے عالم بقاء کے سفر میں صرف تین دن باقی تھے۔ بیماری جب طول پکڑتی ہے، علاج کی تدبیریں ناکام ہو رہی ہوتی ہیں، اسباب منہ چڑاتے ہوئے کہیں دور بھاگ جاتے ہیں اور جب مشکلات بڑھ جاتی ہیں، تو تب امید کے بندھن ٹوٹنے لگتے ہیں، رب العالمین سے بھی شکایات ہونے لگتی ہیں، اپنی قسمت بھی بری محسوس ہوتی ہے اور صبر کا دامن چھوٹنے لگتا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کی اپنی پیاری امت پر شفقت دیکھیے... کہ اپنی امت کو یہ بات سمجھانے کے لیے خود پر یہ حالت برداشت کرنی پڑی، آپ ﷺ سخت تکلیف میں تھے، مرض کی سخت ترین شدت تھی، ابھی چند دن قبل بخاری شریف میں "کتاب المغازی" کے آخر میں آپ ﷺ کے "مرض الوفاۃ" والی روایات پڑھنے کی توفیق ملی، جس میں ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس وقت کی تمام کیفیات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کسی پر موت کی شدت ناپسند معلوم نہیں

ہوتی۔ ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ کسی پر اس درد کی شدت نہیں دیکھی....نبی کریم ﷺ پر درد کی اس قدر شدت کی وجہ..... دل یہ میں آتی ہے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کے نزول اور وحی الٰہی کی شدت کو اپنے دل پر برداشت کر کے اسے امت کے لیے آسان بنایا، اسی طرح موت کی اصل شدت کو بھی اپنے اوپر برداشت کر کے امت کے لیے اس کی شدت کو کم کر دیا، ورنہ موت کی اصل شدت انسان کہاں برداشت کر سکتا ہے۔ یقیناً موت زندگی کے ختم ہونے کا نام نہیں، موت فناء کو نہیں کہتے، ہمارے رب العالمین نے تو ہمیں یہ بتایا ہے کہ موت ایک جہاں سے دوسرے جہاں میں منتقلی کا نام ہے، عالم فناء سے عالم بقاء کا سفر ہے، اپنے اصل اور حقیقی لازوال ٹھکانے کی طرف لوٹنے کا راستہ ہے، سچی بات ہے کہ اگر موت کی حقیقت معلوم ہو جائے تو مومن کے نزدیک موت سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ رہے، لیکن ہاں اس سفر میں بسا اوقات سخت تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں، جیسے دنیاوی اسفار میں بھی سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں، آخر بچہ بھی تو اس دنیا میں آتے ہوئے طرح طرح کی تکلیفیں اٹھاتا ہے، ابھی ایک دن قبل بندہ اپنے چچا زاد بڑے بھائی، مولانا عبد الحفیظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رات دیر تک بیٹھا رہا، وہ شدید بیماری میں اپنی زندگی کے آخری سانسیں لے رہے تھے، آس پاس اقرباء غم وحزن اور شدید رنج وکرب کے عالم میں تھے، کچھ ان کے علاج کی مؤثر کوششوں میں مصروف تھے، لیکن بندہ ان کے پاس بیٹھا اللہ تعالیٰ سے صرف ان کے حسنِ خاتمہ کی التجاء کرتا رہا، کیوں کہ جسے حسنِ خاتمہ نصیب ہو جائے، اسے دنیا وآخرت کی تمام کامیابیاں اور حقیقی راحتیں مل جاتی ہیں۔ الحمد للہ! وہ اپنے ہوش وحواس کے آخری لمحات اور زبان سے جاری ہونے والے آخری کلمات تک اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے، چند دن قبل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیماری میں بہت سی کرامات دکھادی ہیں۔ الحمد للہ! تمام گناہوں سے توبہ کی توفیق نصیب ہوگئی اور اب میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے تیار ہوں، اب مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں۔ آخری وقت میں انسان کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نصیب ہو جانا، دنیا اور اہل دنیا سے امیدیں ختم ہونا، اور گناہوں سے توبہ کی توفیق مل جانا یقیناً اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن اور حسنِ خاتمہ کی علامت ہے۔ الحمد للہ! سبحان اللہ! ماشاء اللہ تعالیٰ۔ اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون

بات دراصل یہ عرض کی جارہی تھی کہ نبی کریم ﷺ نے اُس حالت میں.....کہ جس میں لوگ ناامید اور اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہونے لگتے ہیں.....اُس میں خود کو برداشت کر کے پھر امت کو تعلیم دی کہ دیکھو! اس

حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن کا تعلق کم نہ ہونے پائے، بلکہ پہلے سے بھی بڑھ جائے...اور کوئی بھی مؤمن اللہ تعالیٰ سے بدگماں ہو کر نہ مرے۔

حسنِ ظن پانے کی مسنون دعاء:

نبی کریم ﷺ سے ایک پیاری مسنون دعاء منقول ہے، جو ہمیں اپنے شیخ دامت برکاتہم العالیہ کی برکت سے نصیب ہوئی:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ التَّوْفِيْقَ لِمَحَابِّكَ مِنَ الأَعْمَالِ وَصِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْكَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِكَ.

ترجمہ: یااللہ! آپ سے آپ کے محبوب اعمال کی توفیق، اور آپ پر سچے توکل، اور آپ کے ساتھ حسن ظن کا سوال ہے۔

ظن کی طاقت:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے ظن، یعنی خیال، سوچ اور فکر کو بہت طاقت بخشی ہے، یہ ظن غلط بھی استعمال ہوتا ہے اور درست بھی۔ غلط استعمال ہو تو یہ انسان کو ظلمت، گناہ، ظلم، حسد، کینہ، بغض، بے دینی، دین بیزاری حتی کہ کفر و شرک تک لے جاتا ہے، اور اگر درست استعمال ہو تو اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو، اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو، اور دنیا کے اس نظام کو اپنے مطابق بنایا جاسکتا ہے، یہی بات اس حدیث قدسی میں بیان کی گی ہے:

أنا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ (صحيح البخاري، رقم الحديث: ٧٤٠٥)

ترجمہ: میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہو جاتا ہوں۔

علامہ اقبال نے بھی شاید اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے:

نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

قرآن کریم نے ظن کے غلط استعمال پر زبردست روک لگائی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات:12)

''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا مبارک ارشاد ہے:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ (صحیح البخاری، 5143)

''بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔''

بدگمانی بہت مہلک بیماری ہے، رشتوں کی قاتل، دلوں کو اُجاڑنے والی اور ذہنوں کو زہر آلود کرنے والی ناسور ہے، جبکہ حسنِ ظن میں رشتوں اور تعلقات کی بقاء ہے، چاہے وہ رشتہ انسانوں کے ساتھ ہو، یارب العالمین کے ساتھ۔

حسن ظن کے چھ درجات:

حسنِ ظن کن لوگوں کے ساتھ ہو اور کس طرح کا ہو، اس حوالہ سے تفصیلی مضمون کی ضرورت ہے، تاہم یہاں خلاصہ کے طور پر اس کے چھ درجات بیان کیے جاتے ہیں، امید ہے جو انہیں اچھے طریقے سے سمجھ لیں گے، ان کے لیے تفصیلی مضمون سے کفایت ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۔ حسنِ ظن کا پہلا اور بلند ترین درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر، اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت پر، اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت پر، اللہ تعالیٰ کی نصرت و حفاظت پر اور اللہ تعالیٰ کی نجات پر کامل یقین ہو۔ اگر یہ پہلا درجہ نصیب نہ ہو تو انسان مایوسی، بزدلی، وسوسہ، شکستگی اور کفر و الحاد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۲۔ حسنِ ظن کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بالخصوص سرورِ دو عالَم، فخر الرسل سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حسنِ ظن ہو۔ اور ان کے ساتھ حسنِ ظن کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا سچا نبی ماننا، جو کچھ انہوں نے بیان فرمایا، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرار دینا، ان کے مقام و مرتبہ کو تسلیم کرنا اور ان کی بتائی ہوئی ہر بات اور ہر سنت کو اپنے لیے ہدایت، نور اور خیر کا ذریعہ ماننا۔

۳۔ حسنِ ظن کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ تمام اہل بیتِ اطہار اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے اور ان کے ساتھ حسنِ ظن یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور محبوب ترین افراد، رسول اللہ ﷺ کے مخلص اور وفادار ساتھی، دین اسلام کا محافظ اور ایمان ع احکامِ شریعت میں انہیں معیار سمجھنا۔ اور ان کی طرف منسوب کسی بھی غلط یا نامناسب بات کی تردید کرنا یا اس کی قرآن و سنت کی روشنی میں مناسب تاویل کرنا واجب اور ضروری ہے۔

۴۔ حسنِ ظن کا چوتھا درجہ یہ کہ اپنے سلفِ صالحین، اولیائے کرام، مجتہدین عظام، فقہاء و محدثین،

فاتحین اسلام، اور عادل حکمران وملوک کے ساتھ حسنِ ظن کا تعلق ہو اور ان کے ساتھ حسنِ ظن کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام حضرات کو دین مبین کا سچا داعی، مبلغ اور دین اسلام کا محافظ اور اس کے ساتھ مخلص ماننا، اور ان کی طرف بلا تحقیق کسی نامناسب بات کی نسبت کرنے سے بچنا، اور کسی خلافِ شریعت عمل کے ثبوت پر، اُسے ان کی اپنی ذات تک محدود رکھ کر اس کا بے جا تذکرہ اور پرچار نہ کرنا۔

۵۔ حسنِ ظن کا پانچواں درجہ یہ ہے کہ اپنے اساتذہ اور ہم عصر علمائے کرام اور دینی و اسلامی کاموں میں مشغول افراد کے ساتھ اچھا گمان رکھنا، یعنی انہیں دین اسلام کے ساتھ مخلص جاننا، دینی کاموں میں اپنا معاون ورفیق ماننا، ان کے متعلق خیر خواہانہ جذبات رکھنا اور ان کے لیے ہمیشہ دعا گو رہنا، اور بظاہر کسی نظریہ یا کسی عمل میں ٹکراؤ کی صورت میں سلفِ صالحین کے بتائے ہوئے آدابِ اختلاف کی روشنی میں، مناسب لب ولہجہ کے ساتھ اپنی بات قرآن وسنت کی روشنی میں خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ بیان کر دینا۔

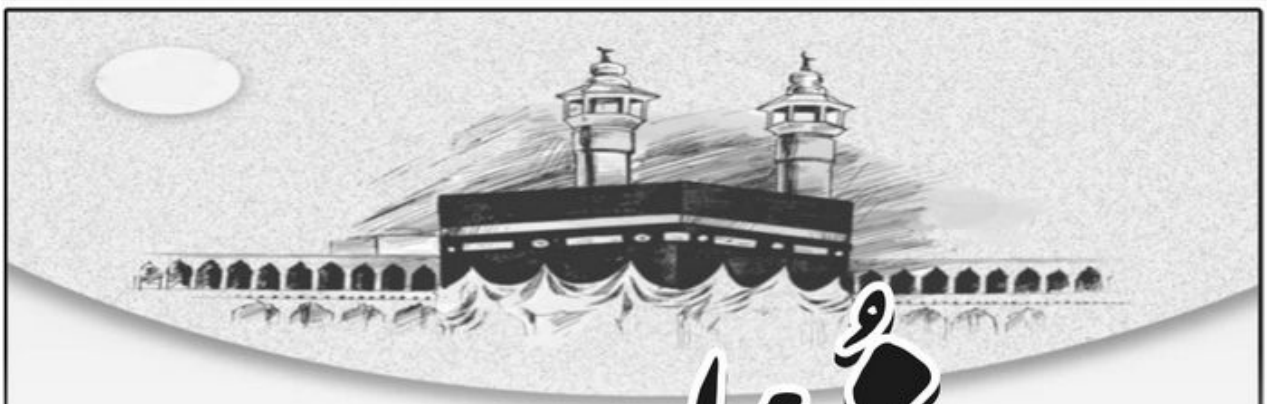
۶۔ حسنِ ظن کا چھٹا درجہ عام مسلمانوں کے متعلق اچھا گمان رکھنا ہے، یعنی ان کی طرف بلا تحقیق کوئی غلط بات منسوب نہ کرنا، اور اپنی زبانوں کو ان کی غیبت اور ان پر تہمتوں سے بچائے رکھنا۔

حسنِ ظن کے یہ چھ درجات بالترتیب ایک مؤمن کے ایمان کا حصہ ہیں، ہر اوپر والا درجہ نیچے والے سے اپنی حساسیت کی بناء پر زیادہ اہم اور زیادہ ضروری ہے۔ اور یہ حسنِ ظن مؤمن کے لیے حسنِ خاتمہ کا باعث ہے، جبکہ ان سے سوءِ ظن سوء خاتمہ کا پیش خیمہ ہے، پس جو جس درجہ میں سوءِ ظن میں مبتلا ہے، وہ اسی قدر اپنے سوءِ خاتمہ کی طرف گامزن ہے۔ عافانا اللہ من سوء الخاتمۃ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسنِ ظن کی دولت سے مالا مال اور اس کی برکت سے حسنِ خاتمہ نصیب فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ اس مضمون کو قبول فرمالیں، اس کے لکھنے اور پڑھنے کا اجر وثواب ہمارے پیارے بھائی مولانا عبد الحفیظ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو پہنچادیں۔

جزی اللہُ عنا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم بما ھو أھلہ





مُہلت

اُمِّ محمد

گوشۂ مؤمنات

اللہ تعالیٰ غفلت کے پردے ہٹا کر ہماری آنکھیں کھول دے ہمیں اس فانی دنیا کی حقیقت کا شعور عطا فرمائے، اور اس سے پہلے کہ مہلتِ عمر تمام ہو، ہمیں آخرت کی سچی فکر اور اس کی بھرپور تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

ہم اس دنیا میں زندگی کی کتنی ہی منصوبہ بندیاں کرتے ہیں۔ کبھی مال جمع کرنے کی فکر، کبھی اولاد کے مستقبل کی پریشانی، کبھی رشتوں کو سنبھالنے کی کوشش، اور کبھی اپنی خواہشات کی تکمیل کی دوڑ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ابھی بہت وقت باقی ہے، ابھی تو زندگی پڑی ہے، ابھی توبہ کرلیں گے، ابھی نمازوں کی پابندی شروع کرلیں گے، ابھی قرآن سے تعلق مضبوط کرلیں گے، ابھی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے وقت ہے۔ بہت کچھ کرلیں گے۔ مگر ہم بھول جاتے ہیں کہ زندگی کی مہلت کا کوئی بھروسا نہیں، موت کسی کی منصوبہ بندی کی پابند نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں انسان کی اسی غفلت کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حَتّٰٓى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ○ لَعَلِّيٓ أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ (المومنون)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو کہے گا اے میرے رب مجھے پھر بھیج دے۔ تاکہ جسے میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کرلوں۔

ذرا تصور کیجیے! وہ انسان جس کے سامنے زندگی بھر حق موجود تھا، جسے بار بار نصیحت کی گئی، جس نے

موت کو دوسروں کے لیے آتے دیکھا، جس نے جنازوں میں شرکت کی، قبروں تک اپنے پیاروں کو پہنچایا، مگر اپنی باری کو بھولے رکھا جب موت کا پردہ اس کی نگاہوں سے ہٹتا ہے تو وہ چیخ اٹھتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دیجیے، میں اب نیک اعمال کروں گا، اپنی زندگی کو بدل دوں گا، اپنی کوتاہیوں کی تلافی کرلوں گا!

لیکن اب یہ خواہش کس کام کی؟ جس دنیا کو وہ ہمیشہ کے لیے اپنا سمجھ بیٹھا تھا، اب اسی دنیا میں واپس جانے کے لیے فریاد کر رہا ہے۔ جن نمازوں کو کل پر چھوڑتا رہا، جن گناہوں کو معمولی سمجھتا رہا، جن حقوق کو پامال کرتا رہا، جن توبہ کے لمحوں کو ضائع کرتا رہا، اب انہی کے بارے میں حسرت اس کے دل کو جلا رہی ہے۔ چنانچہ اس کو کہا جائے گا:

كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (المومنون)

ہرگز نہیں، ایک ہی بات ہے جسے یہ کہہ رہا ہے، اور ان کے آگے قیامت تک ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔

یعنی اب واپسی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ موت کے بعد انسان برزخ کی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے، جہاں سے قیامت تک دنیا میں لوٹنا ممکن نہیں۔ اب نہ عمل کی مہلت ہے، نہ توبہ کے لیے دنیا جیسا موقع، نہ نیکیوں میں اضافہ کرنے کا اختیار۔ دنیا کی زندگی امتحان تھی اور امتحان کا وقت ختم ہو چکا۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے انسان کو سمجھنا چاہیے۔ آج ہمارے پاس مہلت ہے، کل شاید صرف حسرت رہ جائے۔ آج ہم سجدے میں گر سکتے ہیں، آج آنسو بہا کر معافی مانگ سکتے ہیں، آج کسی کا حق واپس کر سکتے ہیں، آج ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑ سکتے ہیں، آج قرآن کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔ لیکن کون جانتا ہے کہ ہماری زندگی کی کتاب کا آخری صفحہ کب لکھ دیا جائے گا؟ واپسی کا راستہ تو بند ہو چکا اب برزخ کے بعد کیا ہوگا:

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (المومنون)

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان میں نہ رشتہ داریاں رہیں گی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

دنیا میں انسان اپنے خاندان، حسب ونسب، مال ومرتبے اور تعلقات پر فخر کرتا ہے۔ کسی کو اپنے والدین کا سہارا بننا ہے، کسی کو اپنی اولاد پر ناز ہے، کسی کو اپنے خاندان کی طاقت کا غرور ہے۔ مگر قیامت

کا دن ایسا ہوگا کہ ہر شخص اپنی فکر میں مبتلا ہوگا۔ دنیا کے وہ تعلقات جن کے لیے انسان کبھی اللہ کی نافرمانی تک کر گزرتا ہے، اس دن اسے نجات نہیں دلاسکیں گے۔ وہاں اصل اہمیت ایمان اور اعمال صالحہ کی ہوگی۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ (المومنون)

پھر جن کا پلہ بھاری ہوا تو وہی فلاح پائیں گے۔ اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا تو وہی یہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کیا، ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہوں گے۔

کامیابی کا معیار وہ نہیں جو دنیا نے مقرر کر رکھا ہے۔ کامیابی یہ نہیں کہ انسان نے کتنا مال کمایا، کتنی شہرت حاصل کی، کتنے لوگوں نے اسے پسند کیا یا دنیا میں اس کا کتنا بڑا مقام تھا۔ حقیقی کامیابی یہ ہے کہ جب اعمال تولے جائیں تو نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب ہو اور آخرت کی زندگی سنور جائے۔ کتنی بڑی محرومی ہوگی کہ انسان دنیا میں لوگوں کی نگاہوں میں کامیاب ہو، مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ناکام ہو جائے! کتنی بڑی بدنصیبی ہوگی کہ دنیا کی خاطر سب کچھ قربان کر دے، مگر آخرت کے لیے کچھ جمع نہ کر سکے! جو ہمیشہ آخرت سے غافل رہے، نیکیوں کا پلڑا بھاری نہ کر سکے، وہ تو ناکام ہو گئے۔ انکا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ (المومنون)

آگ ان کے چہروں کو جھلسا دے گی اور انکی صورتیں بگڑ جائیں گی۔

وہ آگ جسے دنیا میں انسان ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا، اس کے عذاب کا سامنا کرنے والے کس قدر خوف ناک حالت میں ہوں گے! یہ منظر محض سننے یا پڑھنے کے لیے نہیں، بلکہ اپنے دل کو جھنجھوڑنے اور اپنی زندگی کا جائزہ لینے کے لیے ہے۔ کیا ہماری نمازیں ہمیں اس دن کی تیاری کروا رہی ہیں؟ کیا ہماری زبانیں ذکر و تلاوت سے تر رہتی ہیں؟ کیا ہمارے معاملات اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہیں؟ کیا ہم نے اپنی آخرت کے لیے کچھ بھیجا ہے؟ اگر نہیں تو پھر تو ہم سے بھی پوچھا جائے گا

أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ (المومنون)

کیا تمہیں ہماری آیتیں نہیں سنائی جاتی تھیں پھر تم انہیں جھٹلاتے تھے۔

یہ سوال ہمارے لیے ایک تنبیہ ہے۔ قرآن پاک ہمارے گھروں میں موجود ہے، اس کی تلاوت ہمارے کانوں تک پہنچتی ہے، اس کی نصیحتیں ہمیں بار بار سنائی جاتی ہیں۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا ہم قرآن کو صرف پڑھتے ہیں یا اس کے پیغام کو اپنی زندگی میں بھی جگہ دیتے ہیں؟ کیا ہم اس کے احکام کے سامنے جھکتے ہیں یا اپنی خواہشات کو ترجیح دیتے ہیں؟ قرآن پاک سے تعلق صرف تلاوت کا نام نہیں ہے بلکہ یہ اطاعت، عمل، اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی طرف واپسی کا نام ہے۔ آگے دیکھیے جب یہ غافل لوگ اپنی حالت کا اعتراف کریں گے تو کہیں گے:

قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ (المومنون)

کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی تھی اور ہم لوگ گمراہ تھے۔ اے رب ہمارے ہمیں اس سے نکال دے اگر پھر کریں تو بے شک ہم ظالم ہوں گے۔

یہاں بھی وہی فریاد ہے، وہی واپسی کی آرزو، وہی وعدہ کہ اب دوبارہ نافرمانی نہیں کریں گے۔ مگر اب یہ اعتراف ان کے کسی کام نہ آئے گا۔ دنیا میں جب ان کے پاس مہلت تھی، تب انہوں نے غفلت اختیار کی اب جب حقیقت سامنے آچکی ہے تو عمل کا وقت تو گزر چکا۔ تب اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے:

قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (المومنون)

اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔

یہ آیت دل کو لرزا دینے والی ہے۔ وہ رب جس کی رحمت سمندروں سے وسیع، جس کی مغفرت آسمانوں سے بڑھ کر، اور جس کی محبت بندے کی ہر خطا کے باوجود اسے اپنی طرف بلاتی رہتی ہے۔ وہ رب جو خود فرماتا ہے کہ میری رحمت سے دنیا میں کوئی مایوس نہیں ہونا چاہیے، جس کی طرف لوٹنے کے دروازے موت سے پہلے تک کھلے ہیں، اسی خالق کی نافرمانی پر اصرار کرتے کرتے، عیاشیاں کرتے

کرتے ،اُس رب کے حضور حاضری سے اس قدر غفلت ہو کہ ایک دن اُس کے سامنے پیش ہونے کا تصور ہی دھندلا کر بیٹھیں،اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائیں ۔خدانخوستہ اگر آخرت میں اس انجام تک پہنچ جائیں تو یہ کتنی بڑی محرومی اور ذلت ہوگی ۔اسی لیے جب تک سانس باقی ہے،امید باقی ہے ۔ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، سچی توبہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنا چاہیے ۔ہمیں دوسروں کے انجام کا فیصلہ نہیں کرنا، بلکہ اپنے انجام کی فکر کرنی ہے ۔آگے اللہ تعالیٰ اپنے کامیاب محبوب بندوں کا ذکر فرماتے ہیں:

اِنہُ کَانَ فَرِیقٌ مِّنۡ عِبَادِی یَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَأَنۡتَ خَیۡرُ الرَّاحِمِین، فَاتَّخَذۡتُمُوهُمۡ سِخۡرِیًّا حَتّٰی أَنۡسَوۡکُمۡ ذِکۡرِی وَکُنۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ تَضۡحَکُونَ،إِنِّی جَزَیۡتُهُمُ الۡیَوۡمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمۡ هُمُ الۡفَائِزُونَ (المومنون)

میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا جو کہتے تھے اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو بڑا رحم کرنے والا ہے ۔سو تم نے ان کی ہنسی اڑائی یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں میری یاد بھی بھلا دی اور تم ان سے ہنسی ہی کرتے رہے ۔آج میں نے انہیں ان کے صبر کا بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہوئے ۔

جو لوگ غافل ہوئے وہ تو ناکام ہو گئے مگر جو دنیا میں رہتے ہوئے آخرت سے غافل نہیں ہوئے، ایمان کے ساتھ اپنے رب سے مغفرت اور رحمت کی دعائیں مانگا کرتے تھے ۔وہ اپنے رب کے سامنے عاجزی اختیار کرتے، اپنی آخرت کی فکر کرتے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے زندگی گزارتے تھے ۔وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی محبت سے لاڈ سے ''عبادی'' کہہ کر پکارا ہے لیکن دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو ان کا مذاق اڑاتے، اور ان کے طرزِ زندگی پر ہنستے تھے ۔وہ لوگ ان کا مذاق اڑانے میں اس قدر مشغول ہوئے کہ خود اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو گئے ۔ انہیں یہ احساس نہ رہا کہ جن لوگوں کو وہ دنیا میں حقیر سمجھ رہے ہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں انہی کا مقام بلند ہو، اور جن باتوں پر وہ ہنستے ہیں، وہی ان کی نجات کا ذریعہ بن جائیں اور ان کے اپنے لیے رسوائی کا سبب بن جائیں ۔اور پھر اپنے لاڈلے بندوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آج

میں نے انہیں ان کے صبر کا بدلہ عطا کر دیا، اور حقیقت میں کامیاب تو وہی لوگ ہیں۔ کامیابی کا فیصلہ دنیا کی محفلوں میں نہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہوگا۔ لوگوں کی نظروں میں کمزور دکھائی دینے والا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہوسکتا ہے، اور دنیا میں اپنے آپ کو کامیاب سمجھنے والا شخص آخرت میں خسارے سے دو چار ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اگر نیکی کی راہ میں مشکلات آئیں، لوگ مذاق اڑائیں، عبادت میں نفس سے جنگ کرنی پڑے یا گناہوں کو چھوڑنے کے لیے قربانی دینی پڑے تو ہمت نہ ہاریں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کیا گیا صبر اور اخلاص کے ساتھ اٹھایا گیا ہر قدم اس کی رحمت سے اجر کا مستحق ہے۔ اور جس نے ہمیشہ دنیا کو ترجیح دی اسی کو بنانے سنوارنے کی فکر میں لگا رہا وہ یقیناً ناکام ہوگیا۔ یہی ناکام لوگ اپنی دنیا کی زندگی کو یاد کریں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہماری بدبختی کا سبب یہ ہوا کہ ہم دنیا میں گمراہی میں مبتلا رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے:

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ (المومنون)

فرمائے گا تم زمین پر گنتی کے کتنے برس رہے؟ کہیں گے ایک دن یا اس سے بھی کم رہے ہیں پس آپ گنتی کرنے والوں سے پوچھ لیں۔

جس دنیا میں رہنے کے لیے انسان نے اپنی آخرت کو بھلا دیا تھا، جس کی رنگینیوں میں عمر گنوا دی تھی، جس کے لیے نیکیوں کو مؤخر کرتا رہا تھا، اب وہی طویل زندگی اسے ایک دن یا دن کے کچھ حصے جیسی محسوس ہوگی۔ اور پھر ارشاد ہوگا:

قَالَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (المومنون)

فرمائے گا تم اس میں تھوڑا ہی رہے ہو، کاش کہ تم سمجھ لیتے۔

کاش تم سمجھ لیتے! اس جملے میں کیسی نصیحت ہے، کتنی تنبیہ ہے، اور انسان کے لیے کتنا بڑا اسبق پوشیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ کاش تم سمجھتے ہوتے کہ جس رب کی یاد سے غافل ہو کر تم نے اپنی زندگی گزاری، وہی رب تمہیں اپنی رحمتوں سے نوازنا چاہتا تھا۔ وہ تمہیں ہدایت کی روشنی دکھاتا رہا، توبہ کے دروازے کھولتا رہا، مہلت دیتا رہا کہ تم پلٹ آؤ، اپنے رب کو پہچان لو، اس کی محبت کو پالو، مگر

تم دنیا کی رنگینیوں میں کھوئے رہے۔ وہ تمہارا رب ہے، تمہارا خالق، تم پر رحم فرمانے والا، تمہاری توبہ قبول کرنے والا۔ وہ تمہیں اپنی رحمتوں سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر تم نے خود اپنے لیے محرومی کا راستہ چن لیا۔ اس نے تمہیں زندگی دی، سانسیں عطا کیں، ہدایت کا پیغام بھیجا، بار بار سنبھلنے کے مواقع دیے، لیکن تم نے اس کی یاد سے منہ موڑ لیا۔ افسوس! یہی تو دنیا کی زندگی کی حقیقت ہے۔ آج جو عمر ہمیں بہت طویل محسوس ہوتی ہے، کل آخرت کے سامنے چند لمحوں سے زیادہ معلوم نہ ہوگی۔ آج کے دکھ، خوشیاں، مصروفیات اور پریشانیاں سب پیچھے رہ جائیں گی۔ باقی وہی ہوگا جو ہم نے اللہ تعالیٰ کے لیے آگے بھیجا ہوگا۔ آج اگر ہم اپنے دل سے سوال کریں کہ اگر آج ہماری زندگی کا آخری دن ہو تو کیا ہم اپنے رب سے ملاقات کے لیے تیار ہیں؟ کہیں ہم آخرت سے غافل تو نہیں؟ کیا ہماری نمازیں مکمل ہیں؟ کیا ہماری توبہ سچی ہے؟ کیا ہم نے کسی کا دل تو نہیں توڑا، کسی کا حق تو نہیں دبایا، کسی کی غیبت تو نہیں کی؟ کیا ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت دنیا کی محبتوں سے بڑھ کر ہے؟ کیا ہم نے اپنے بچوں، گھر، مال اور رشتوں کی فکر کرتے ہوئے اپنی آخرت کی فکر بھی کی ہے؟ ہم دنیا کے کاموں کے لیے وقت نکال لیتے ہیں، اپنے پیاروں کے لیے وقت نکال لیتے ہیں، اپنی خواہشات کے لیے وقت نکال لیتے ہیں مگر اپنے رب کے لیے وقت نکالتے ہوئے کیوں تھک جاتے ہیں؟

یاد رکھیے! موت کے بعد نیکی کی تمنا تو ہوگی، مگر نیکی کرنے کا اختیار نہیں۔ واپسی کی التجا تو ہوگی، مگر واپسی کی اجازت نہیں۔ دنیا کی مختصر زندگی ہی وہ موقع ہے جس میں ہم اپنے رب کو راضی کر سکتے ہیں، اپنے نامۂ اعمال کو سنوار سکتے ہیں اور آخرت کی دائمی زندگی کے لیے تیاری کر سکتے ہیں۔ آئیے! آج ہی اپنے رب کی طرف لوٹ آئیں۔ آخرت کی تیاری ابھی سے شروع کر لیں۔ اپنے ایمان کی، اپنی نمازوں کی حفاظت کریں، قرآن سے اپنا تعلق مضبوط کریں، حقوق العباد ادا کریں، گناہوں سے سچی توبہ کریں، اپنے تھوڑے سے وقت کی قدر کریں اور نیکی کو "کل" پر نہ چھوڑیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ ہماری زندگی میں کتنے "کل" باقی ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْفَائِزِیْنَ، وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْغَافِلِیْن آمین ثم آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ادعیہ نبویہ (صلوۃ اللہ علیٰ صاحبہا)

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ

ترجمہ ہم آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، ہم فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو پوشیدہ ہیں، ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

مسلم، رقم: ۲۸۶۷

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ بِاَنِّیْٓ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

ترجمہ یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اس واسطے سے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی اللہ ہیں، واحد بے نیاز ہیں، جس سے نہ کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

ترمذی، رقم ۳۴۷۵

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کی یہ دعاء سنی تو) ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اسم اعظم کے واسطے سے مانگا ہے جس کے ذریعے سے دعاء کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں اور اگر کچھ مانگا جائے تو عطاء فرماتے ہیں)

مکہ مکرمہ میں جَرْوَل کے مقام پر واقع کنواں "بئرِ طوی" ....

نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ سے پہلی رات یہاں بسر فرمائی۔ صبح کے وقت اس کنویں کا پانی نوش فرمایا اور اس سے غسل فرمایا اور پھر اپنے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع کے موقع پر بھی آپ ﷺ کا یہاں قیام اور غسل فرمانا منقول ہے۔





